ماہنامہ محدث لاہور

شمارہ نمبر:251 جلد33/شمارہ 8

جمادی الاول1422ھ اگست2001ء

www.KitaboSunnat.com,www.mohaddis.com

گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:

فی شمارہ:20روپے زر سالانہ:200روپے بیرون ملک:20ڈالرسالانہ

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ200روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس:ماہنامہ محدث 99 جے بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور54700

فون نمبر:042-5866476,5866396,0321-4340803

نوٹ:برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث حاصل کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔شکریہ

مزید تفصیلات کے لیے webmaster@KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNAT.COM,WWW.MOHADDIS.COM

اہم اعلان

معزز قارئین کرام! کتاب وسنت ڈاٹ کام پر آن لائن مطالعہ اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے مہیا کیے جانے والے تمام یونی کوڈ رسائل وجرائد چونکہ سوفٹ ویئر کی مدد سے ان پیج سے یونی کوڈ میں تبدیل کیے جاتے ہیں لہذا ان میں اغلاط کا امکان بہرحال موجود ہے۔یونی کوڈ فارمیٹ میں مہیا کرنے کا بنیادی مقصد سرچنگ میں سہولت پیدا کرنا ہے۔لہذا آپ سے التماس ہے کہ برائے مہربانی غلطیوں سے محفوظ مواد کے حصول کے لیے پی ڈی ایف (PDF) فارمیٹ میں موجود فائلز کو ڈاؤن لوڈ کیجیے۔نیز نوٹ فرمالیں کہ پی ڈی ایف (PDF) اور (Word) فائلز میں کسی بھی قسم کے اختلاف کی صورت میں ہمارے نزدیک (PDF) فائلز کو ترجیح ہو گی۔

گھر بیٹھے محدث وصول کیجئے

معزز قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں:

فی شمارہ: 20روپے	زر سالانہ: 200روپے	بیرون ملک: 20ڈالر سالانہ

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ 200روپے بھیج کر سال بھر کے لیے گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں

ایڈریس: ماہنامہ محدث 99 جے بلاک ،ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700

فون نمبرز: 042-5866476,5866396,0321-4340803

نوٹ: برائے مہربانی ویب سائٹ کے ذریعے محدث آرڈر کرنے والے احباب ویب سائٹ کا حوالہ ضرور لکھیں۔شکریہ

مزید تفصیلات کے لیے webmaster@KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.Mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فِکر و نظر

خبر متواتر اور خبر آحاد کا فائدہ ......ظن یا یقین؟	حافظ عبداللہ روپڑیؒ	۲

کتاب وحکمت

حضرت سلیمان کی آزمائش اوران کے تخت پر 'جسد'؟	حافظ صلاح الدین یوسف	۴

حدیث و سنت

حدیث کے 'ظنی' ہونے کا مفہوم	مولانا عبدالغفار حسن	۱۱

تحقیق و تنقید

مسلماتِ اسلامیہ سے انکار وانحراف کی راہ	حافظ صلاح الدین یوسف	۲۳
قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار	ڈاکٹر محمد امین	۳۹

مقالات

مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر	۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

خبر متواتر اور خبر آحاد کا فائدہ ...... ظن یا یقین؟

محدث کے اِس شمارے میں پاکستان کی معروف دانش گاہوں اور علمی مراکز کے محققین کے اُن تبصروں کو شائع کیا جارہا ہے جو انہوں نے فکرِ اصلاحی پر کئے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہورہا ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور انکے تلامذۂ خاص نے سنت وحدیث کے بارے میں اُمت کے اجتماعی رویے سے انحراف کی جو روش اختیار کی ہے، اس کو پاکستان کے ثقہ علماء اور دانشور کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ یہاں ہم برصغیر کے نامور فقیہ اور محدث حافظ عبداللہ محدث روپڑی کا خبر متواتر اور خبر واحد کے طریقہ ہائے ثبوت کے بارے میں ایک مختصر اقتباس پیش کررہے ہیں تاکہ اس بحث کی اَساس پیش نظر رہے۔ **ادارہ**

''پہلی چیز جس سے گمراہ فرقوں کو رخنہ اندازی کی گنجائش ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے طریق وصول اور حدیث کے طریق وصول میں فرق ہے یعنی قرآنِ مجید ہم تک بذریعہ تواتر پہنچا ہے جبکہ حدیث کچھ بذریعہ تواتر ملی ہے اور کچھ بذریعہ آحاد۔ تواتر کا مطلب یہ ہے کہ خبر دینے والے بہت ہوں یہاں تک کہ عقل کے نزدیک عادتاً غلطی کا اِمکان نہ رہے۔ اور آحاد کے معنی افراد کے ہیں یعنی خبر دینے والا ایک فرد ہو یا کئی افراد ہوں مگر عقل کے نزدیک عادتاً غلطی کا اِمکان رہے۔ ایسی خبر کو خبر واحد یا خبر آحاد کہتے ہیں۔

تواتر کی مثال یوں سمجھئے جیسے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہونا یہ خبر ہمیں اتنے واسطوں سے پہنچی ہے کہ اس کا غلط ہونا عقل کے نزدیک عادتاً محال ہے۔ اگر کوئی اہل اسلام سے اس میں غلطی کا امکان مانے تو اسلامی دنیا اس کو پاگل سمجھے گی۔ اور خبر واحد کی مثال یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں۔ اس خبر کے دینے والے اتنے افراد نہیں کہ عقل کے نزدیک ان کی غلطی عادتاً محال ہو بلکہ غلطی کا اِمکان ہے۔ مگر اس اِمکان کے یہ معنی نہیں کہ خبر سچی نہیں بلکہ خبر بالکل سچی ہے اور اس پر پورا اعتماد ہے۔ کیونکہ خبر دینے والے راوی معتبر اور ثقہ ہیں بلکہ اس اِمکان کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس راوی سے کوئی زیادہ ثقہ یا زیادہ معتبر اس کے خلاف خبر دے تو پھر اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کو غلط سمجھ کر ترک کردیا جائے گا۔ اور اگر کوئی اس کے برابر کا اس کے خلاف خبر دے تو اس صورت میں دونوں روایتیں مشکوک ہوجائیں گی، کسی پر عمل نہیں ہوگا۔

بس غلطی کے اِمکان کا یہی مطلب ہے، نہ یہ کہ خلاف نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی تصدیق نہیں ہوگی یا معتبر نہیں سمجھی جائے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مقدمہ میں تحصیلدار کی شہادت پٹواری کی شہادت کے خلاف ہو تو پٹواری کی شہادت ردّ ہوجائے گی مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ اگر تحصیلدار خلاف نہ ہو تو پھر بھی

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پٹواری کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ وہ بالاتفاق معتبر ہوگی۔ اسی طرح ایک تحصیلدار کی شہادت کے خلاف دوسرے تحصیلدار کی شہادت ہوتو دونوں شہادتیں مشکوک ہوجائیں گی۔ اور اگر خلاف نہ ہوتو تحصیلدار کی شہادت بڑی زبردست اور مضبوط شہادت ہوگی۔ ایسے ہی ڈپٹی کمشنر، اوپر تک، سمجھ لیں۔

ٹھیک اسی طرح خبر واحد کو سمجھ لینا چاہئے۔ بس خبر دینے والا جتنا بڑا ہوگا، اتنی اس کی خبر مضبوط اور پختہ ہوگی۔ اور خبر متواتر مضبوطی اور پختگی میں چونکہ علم کا انتہائی درجہ ہے، اس لئے وہاں خلاف کی گنجائش ہی نہیں بلکہ خلاف عادتاً محال ہے۔ جیسے تواتر سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ 'مکہ' وہی شہر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اور 'مدینہ' وہی شہر ہے جہاں آپؐ نے ہجرت کی ہے۔ اب اس کے خلاف کوئی خبر دے ہی نہیں سکتا۔ اگر دے تو وہ پاگل ہوگا کیونکہ اتنی دنیا کی خبر کا غلط ہونا عقل کے نزدیک عادتاً ناممکن ہے۔

خلاصہ یہ کہ خبر متواتر اور خبر واحد میں فرق محال اور عدمِ محال کا ہے، ورنہ دونوں معتبر و مصدقہ ہیں اور دونوں پر اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ دونوں کے مراتبِ علم میں فرق ہے، اس لئے ان دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا۔ خبر متواتر کا منکر کافر اور خبر واحد کا منکر فاسق و فاجر اور گمراہ ہے اور اسی فرقِ مراتب کو ظاہر کرنے کے لئے علماء (فقہاء و محدثین) نے ان دونوں کے علم کا نام علیحدہ علیحدہ رکھ دیا ہے۔ خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے، اس کا نام 'یقین' ہے۔ اور خبر واحد سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام 'ظن' ہے لیکن یہ وہ ظن نہیں جس کو عام بول چال میں ظن غالب کہتے ہیں بلکہ اس ظن کو ہم اپنی بول چال میں یقین سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں: مجھے تو فلاں کی بات پر یقین ہے، مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ مجھے تو فلاں کی بات پر بالکل اطمینان اور تسلی ہے، کسی قسم کا شبہ یا وہم نہیں۔ اور بعض دفعہ محدثین بھی ایسی بات پر جس کے متعلق پورا اطمینان اور تسلی ہو، یقین کا لفظ بول دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مقدمہ مسلم: بحث عنعنہ اور ترمذی: بحث سجدۂ سہو زیر حدیث ذوالیدین۔

اور 'ظن غالب' سے مراد ہوتا ہے کہ پوری تسلی نہیں، کچھ تردّد ہے۔ اس مقام میں بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ فقہاء و محدثین جب خبر واحد کی نسبت 'ظن' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ لوگ اپنی بول چال کے مطابق 'ظن غالب' سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس سے پھر بڑے اُلٹ پلٹ نتائج برآمد کرتے ہوئے حدیث کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

[کتاب 'مودودیت اور احادیثِ نبویہ' از حافظ عبداللہ محدث روپڑی: صفحہ ۷۱ تا ۷۴، طبع دوم ۱۹۵۷ء]

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وحکمت

حافظ صلاح الدین یوسف

حضرت سلیمانؑ کی آزمائش اور اُن کے تخت پر 'جسد'؟

معاصر 'اِشراق' کی ایک تفسیری بحث کا جائزہ

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ، قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ، فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ (سورۂ ص:۳۴ تا ۳۶)

''اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا پھر اس نے رجوع کیا۔ کہا کہ اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو، تو بڑا ہی دینے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو اُن کے ماتحت کر دیا۔ وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔''

یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی کوئی تفصیل قرآنِ کریم یا حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس پر چسپاں کیا ہے جو یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا:

''میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہم بستری کروں گا تاکہ اُن سے شاہ سوار پیدا ہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور اس پر إن شاء الله نہیں کہا (یعنی صرف اپنی ہی تدبیر پر سارا اِعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص یعنی آدھا تھا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر سلیمان إن شاء الله کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔''
(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء / صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الاستثناء)

اِن مفسرین کے خیال میں شاید إن شاء الله نہ کہنا یا صرف اپنی تدبیر پر اعتماد کرنا یہی فتنہ ہو، جس میں حضرت سلیمانؑ مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ ہو...... واللہ اعلم

اس واقعے کے بعد حضرت سلیمان نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ یا اللہ! مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔ اس دعا کا مطلب گویا یہ تھا کہ شاہ سواروں کی فوج پیدا ہونے کی آرزو تو تیری حکمت ومشیت کے تحت پوری نہیں ہوئی، لیکن اگر مجھے ایسی بااختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو، تو پھر اولاد کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی۔ یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بتایا ہے، جب کہ دوسرے مقام پر اسے تندوتیز کہا ہے (الانبیاء:۸۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان کے لیے اسے نرم کر دیا گیا، یا حسبِ ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم، جس طرح حضرت سلیمانؑ چاہتے۔ (فتح القدیر)

بعض لوگوں نے عقل ودرایت کی رو سے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ معجزات عطا فرماتا ہے۔ انہی معجزات میں ایک معجزہ قوتِ مردانگی بھی ہے، علاوہ ازیں ان کے اوقات میں برکت بھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت سلیمان کے واقعے کو عام انسانی معیار پر ماپنا اور پھر اسے عقل ودرایت کے خلاف باور کرانا یکسر غلط ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس واقعے میں انبیاء علیہم السلام کی اس خصوصیت کا بیان بھی ہے جو قوتِ جماع کی صورت میں اُن کو عطا کی جاتی ہے جو اُن کی بنیادی صحت، قوتِ بارآوری اور کمالِ مردانگی پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ انہیں عبادت اور علوم کے ساتھ بھی خصوصی اشتغال ہوتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کو بھی یہ معجزہ اس سے زیادہ بلیغ انداز میں عطا کیا گیا تھا۔ آپ کا اپنے ربّ کی عبادت میں، علومِ ربانی میں اور مخلوق کی فلاح وبہبود میں اشتغال بہت زیادہ تھا، علاوہ ازیں آپ نہایت کم خور تھے جو کثرتِ جماع والے شخص کے لیے جسمانی کمزوری کا باعث ہے، اس کے باوجود آپ (بعض دفعہ) ایک ہی رات میں غسل واحد کے ساتھ اپنی گیارہ بیویوں کے ساتھ مباشرت فرما لیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے جو جتنا زیادہ متقی ہوتا ہے، اس کی جنسی قوت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے......''
>
> (فتح الباری: ج۶،ص۵۶۳، طبع دار السلام، الریاض)

یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت سلیمان کا یہ واقعہ مباشرت حدیث میں آیتِ زیر بحث کی تفسیر کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی فہم کے مطابق اس آیت پر اس کا انطباق کیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر تاویلات وتوجیہات کے مقابلے میں جو بیشتر اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں، یہ انطباق زیادہ صحیح ہے اور اِس سے اس آیت کی ایک معقول توجیہ سامنے آجاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

بعض قدیم مفسرین نے تو اس آیت کی تفسیر میں عجیب وغریب قصے بیان کئے ہی ہیں جو سرے سے شانِ نبوت ہی کے منافی ہیں، لیکن زمانۂ حال کے بعض جدید مفسرین نے بھی جن کو اپنی قرآن دانی کا بڑا دعویٰ ہے، اِس کی دوراَز کار تاویل میں جو گل کھلائے ہیں اور جو ندرت آفرینی کی ہے، اُس میں وہ قدیم

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفسرین سے پیچھے نہیں رہے، بلکہ شاید گوئے سبقت ہی لے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب کی تاویل کا خلاصہ یہ ہے کہ

''حضرت سلیمانؑ کو یہ سخت امتحان پیش آیا کہ دشمنوں نے یورش کر کے ان کے بیشتر علاقے چھین لیے اور باقی علاقوں میں ایسی گڑبڑ پھیلا دی کہ نظم حکومت عملاً بالکل درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ان کی تاخت سے صرف مرکز بچا جس میں حضرت سلیمانؑ بالکل مجبور ومحصور ہو کر رہ گئے ...... گویا وہ تخت پر ایک بالکل جسدِ بے جان بنا کر ڈال دیئے گئے۔ لفظ جَسَد یہاں بطورِ کنایہ حضرت سلیمان کی بے بسی اور ان کے غم والم کی تصویر کے لیے استعمال ہوا ہے......'' (اشراق: اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۴۵)

حالانکہ یہ تاویل قرآنی الفاظ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ تو فرما رہا ہے کہ ہم نے اس کی کرسی (یعنی تخت) پر ایک دھڑ (جسم) ڈال دیا، ظاہر بات ہے کہ یہ دھڑ حضرت سلیمان سے الگ کوئی چیز ہے نہ کہ خود حضرت سلیمان کا وجودِ گرامی۔ اگر ایسا ہوتا تو ﴿اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ کی بجائے اَلْقَيْنَاهُ عَلٰى ...... کے الفاظ ہوتے۔ کیا اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کی بے بسی کو واضح الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا تھا؟ کنایے کے طور پر بیان کرنا مقصود ہوتا تب بھی واضح تر الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کیا جاسکتا تھا۔ ان صاحب نے پھر اپنی اس رکیک تاویل اور فاسد توجیہ کو صحیح باور کرانے کے لیے حضرت سلیمان کی دعا میں تحریفِ معنوی کا بھی ارتکاب کیا:

حضرت سلیمان نے دعا کی تھی ''مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو' یعنی کسی کو ایسی شان وشوکت والی بادشاہی عطا نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ہواؤں اور جنوں کو بھی ان کے تابع کر دیا گیا۔ لیکن اِن صاحب نے اس دعا کا مطلب یہ بیان کیا ہے

''میرے عدمِ استحقاق کے باوجود مجھے ایسی بادشاہی دے جس کے سزاوار اس طرح کے گناہ کے ساتھ دوسرے نہ ہوتے ہیں، نہ ہوں گے۔'' (تفسیر 'تدبرِ قرآن': ج ۵ ص ۵۳۳)

ان کے نزدیک ...... ''اس دعا میں اصلی زور بادشاہی کی بے مثال عظمت وشوکت پر نہیں، بلکہ بلا استحقاق دیے جانے پر ہے کہ مجھے میرے گناہ کے باوجود بادشاہی دے، جب کہ میرے بعد کوئی اور اس کا سزاوار نہیں ٹھہرے گا۔'' (حوالہ مذکور)

اول تو اِن صاحب اور اِن کے خوانِ علم کی ریزہ چینوں سے پوچھا جائے کہ جب آپ حضرت سلیمان کا کوئی گناہ تسلیم ہی نہیں کرتے، بلکہ اسے اللہ کی طرف سے محض ایک آزمائش قرار دیتے ہیں، تو پھر یہاں گناہ کا حوالہ کیوں؟...... دوسرا یہ کہ اگر دعا کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھے بلا استحقاق بادشاہی دے، تو پھر دوسروں سے اس کی نفی کیوں؟ ...... کیا ایک پیغمبر کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ کی نعمتیں استحقاق کے بغیر ہی ملتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ جن کو تخت واقتدار سے بہرہ ور فرماتا ہے، کیا وہ عام انسانوں سے مختلف ہوتے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا اُن کا استحقاق دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے؟......کیا اللہ بادشاہتیں صرف استحقاق کی بنیاد پر ہی عطا فرماتا ہے؟ آخر اِن میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ استحقاق کے بغیر کسی کو بادشاہت سے سرفراز نہیں فرماتا یہ اس کا اَبدی اُصول ہے، پھر تو حضرت سلیمان کا یہ کہنا واقعی طور پر صحیح ہوسکتا ہے کہ یا اللہ! اگرچہ میں بادشاہت کا مستحق نہیں ہوں، لیکن بلا استحقاق مجھے تو یہ عطا فرمادے، البتہ آئندہ میرے بعد کسی کو یہ بلا استحقاق نہ دینا، لیکن اگر یہ اللہ کا اَبدی اصول نہیں ہے (اور یقیناً نہیں ہے) تو پھر ایک پیغمبر ایک بے معنی دعا کیوں کرسکتا ہے؟

اس لیے حضرت سلیمانؑ کی مذکورہ دعا کا یہ مطلب جو صاحب ِ'تدبر قرآن' نے بیان کیا، صریحاً قرآن کریم کی تحریف ِمعنوی ہے۔ اس دعا کا وہی مطلب ہے جو ظاہری الفاظ سے واضح ہے اور تمام مفسرین اُمت نے بھی وہی مطلب سمجھا ہے کہ اس میں حضرت سلیمان نے اپنے لیے ایسی بے مثال پُرعظمت وشوکت بادشاہت کا سوال کیا ہے جو آئندہ کسی کو نہ ملے۔ اور قرآنِ کریم کے بیان سے واضح ہے کہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم بادشاہت عطا فرمائی کہ ہوا اِن کے تابع تھی اور وہ ہوا کے دوش پر جہاں چاہتے، تشریف لے جاتے۔ جیسے آج کل ہوائی جہازوں پر سفر ہوتا ہے، حضرت سلیمان کو ہوا اللہ کے حکم سے اسی طرح اُڑا لے جاتی تھی۔ جنات جیسی سرکش مخلوق ان کے تابع تھی اور بہت زیادہ سرکشی کرنے والے جنات کو پابند ِسلاسل کرنے پر قادر تھے۔ وہ پرندوں کی بولیوں کو سمجھتے تھے اور پرندے اُن کے تابع فرمان تھے۔ کیا اختیارات کی یہ وسعت و بے پناہی اور عظمت وشوکت کی یہ فراوانی کسی اور بادشاہ یا صاحب ِاقتدار کو نصیب ہوئی ہے؟ صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

> ''گذشتہ رات کو ایک جن اچانک میرے پاس آدھمکا، تاکہ میری نماز خراب کردے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس پر قدرت عطا فرمادی اور میں نے اسے پکڑ لیا اور میرا اِرادہ ہوا کہ میں اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھوں، تاکہ صبح کو تم سب اُسے دیکھ لو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آگئی کہ 'میرے ربّ! مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما، جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔' چنانچہ میں نے اُس کو ذلیل وخوار کرکے چھوڑ دیا'' ...... دوسری روایت کے الفاظ ہیں
>
> ''اللہ نے اس کو ذلیل وخوار کرکے لوٹا دیا'' (صحیح بخاری: احادیث الانبیاء، وکتاب التفسیر سورۃ ص، رقم ۳۴۲۳، ۴۸۰۸ / صحیح مسلم: المساجد ومواضع الصلاۃ، باب جواز لعن الشیطان رقم ۵۴۱)

صحیح مسلم میں ایک اور صحابی سے یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ

> ''رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں تجھ سے

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں'' پھر آپ نے فرمایا ''میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔'' تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اور آپ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا، گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہوں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا جو اِس سے پہلے ہم نے آپ سے نہیں سنی اور آپ کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے بھی دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اِسے میرے چہرے پر ڈال دے، تو میں نے کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، تین مرتبہ میں نے کہا پھر میں نے کہا: میں تجھ پر اللہ کی مکمل لعنت کے ساتھ لعنت کرتا ہوں۔ لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹا، میں نے تین مرتبہ لعنت کی پھر میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی، تو صبح اِس حال میں ہوتی کہ وہ بیڑیوں میں جکڑا ہوتا اور مدینے کے بچے اِس کے ساتھ کھیلتے۔ (صحیح مسلم: بابِ مذکور، رقم ۵۴۲)

ان احادیث میں بھی حضرت سلیمانؑ کی دعا کا وہی مطلب لیا گیا ہے جو مفسرین اُمت نے بیان کیا ہے۔ جو لوگ قرآن فہمی کے لئے احادیث کو بنیادی ماخذ ماننے کے لیے تیار نہیں، بلکہ ان کو احادیث کے مقابلے میں اپنے فہم وتدبر پر زیادہ ناز ہے، ان کی تفسیر اس قسم کی باطل تاویلات، فاسد توجیہات اور معنوی تحریفات سے پر ہیں، اور یوں وہ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کے مصداق ہیں۔ اُردو میں اس گمراہانہ تاویل وتحریف کا رستہ سب سے پہلے سر سید نے کھولا پھر چکڑالوی گروپ نے اِسے اختیار کیا، پھر پرویز اور اس کے ہم نواؤں نے اسے بامِ عروج پر پہنچایا، اور اب رہی سہی کسر غامدی فرقہ فکرِ فراہی کے نام پر پوری کر رہا ہے۔ تفسیر 'تدبرِ قرآن' اسی غلط روش پر مبنی تحکمانہ تفسیر کا شاہکار ہے جس میں جگہ جگہ صحیح احادیث سے اِعراض وانکار ہی نہیں ہے بلکہ ان کا استخفاف واستہزاء بھی ہے......!

جب منکرین حدیث کی طرح فکرِ فراہی کے نام پر انکار واستخفاف ہوگا تو نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو انکارِ حدیث پر مبنی افکار ونظریات کا نکلا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ تخمِ حنظل بو کر لذیذ وشیریں پھلوں کی اُمید وابستہ کر لی جائے۔ جو بھی حنظل کے بیج بوئے گا، چاہے وہ کوئی بھی ہو، اشخاص وافراد سے قطع نظر اس سے وہی فصل تیار ہوگی جو بوئی گئی ہے۔ اس سے آم اور انگور کی فصل پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح نظریاتی طور پر جب سر سید، عبداللہ چکڑالوی، پرویز، امین احسن اصلاحی اور دیگر ان کے رفقا وتلامذہ ایک ہی ہیں، ان کا دبستانِ فکر ایک، ان کے سوچنے سمجھنے کا معیار ایک اور ان کے فکر ونظر کا زاویہ ایک ہے تو پھر نتائج مختلف کیوں ہوں گے؟ چنانچہ ان سب کے افکار ونظریات کا ایک ہی نتیجہ نکلا ہے اور نکل رہا ہے کہ جو بھی حدیث ان کے ذہنی اختراع، خانہ ساز نظریے اور اپنی عقل نارسا کے خلاف محسوس ہوئی، چاہے وہ روایت ودرایت کے لحاظ سے کتنی ہی قوی ہو، اس کا انکار کرنے بلکہ اس کا مذاق اڑانے میں انہیں کوئی تامل اور حجاب نہیں۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری بات کا یقین نہ ہو، تو خود ان حضرات کا اعتراف ملاحظہ ہو:

سرسید کی 'تفسیر القرآن' کا ابھی فوٹو ایڈیشن شائع ہوا ہے، اس کے شروع میں مشہور منکر حدیث پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا تعارف ہے ...... اس میں یہ صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۵۰ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب میانوالی تشریف لائے ،ان دنوں ان کی کتاب 'تفسیر قرآن' (غالباً یہ مبادیٔ 'تدبر قرآن ہوگی، ناقل) شائع ہوئی تھی، جس میں قرآنِ مجید کی تفسیر کے اصول بیان کئے گئے تھے۔ جماعت اسلامی کے حلقوں کی جانب سے اس کتاب کی بڑی تعریف کی جارہی تھی۔ اس قسم کی ایک تعریفی مجلس میں جس میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب موجود تھے، راقم نے عرض کیا کہ سرسید احمد خان نے یہی اُصول اپنے رسالہ اصولِ تفسیر میں بیان کئے ہیں۔ اس پر مولانا کا رنگ فق ہوگیا اور فرمایا کہ کیا کسی کے پاس یہ رسالہ موجود ہے۔ راقم نے اثبات میں جواب دیا تو مزید کچھ کہنے کی بجائے خاموش ہوگئے۔'' (مطبوعہ دوست ایسوسی ایٹس ،الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

خود اس گروہ کے اپنے رسالہ اِشراق میں فکرِ پرویز کے عنوان سے ایک سوال اور اس کا جواب شائع ہوا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: غلام احمد پرویز کی فکر کیا ہے......کیا وہ مسلمان ہیں؟

جواب: غلام احمد صاحب پرویز اس دور کی باقیات میں سے ہیں جب جدید سائنس اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اَفکار نے مذہب کو چیلنج کیا تھا اور اس کے نتیجے میں بعض لوگ دین کو قابل قبول بنانے کے لیے دین کی صورت تبدیل کرنے پر راضی ہوگئے تھے۔ پرویز صاحب کے بارے میں یہ بات غلط ہے کہ وہ حدیث کے منکر ہیں۔ حقیقت میں وہ ہر اس بات کے منکر ہیں جو جدید فکری ذہن کو قبول نہیں ہے خواہ وہ قرآن مجید ہی میں کیوں نہ بیان ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے مسلمان ہونے کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہم یہی کہتے ہیں کہ کسی عام آدمی یا عالم کا کسی کو غیر مسلم قرار دینا ایک خلافِ دین امر ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دوسرے کو اس کی غلطی بتادیں۔''

(ماہنامہ 'اشراق': مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۶۵)

اس سوال جواب سے اس ہم آہنگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو غامدی اور پرویزی نظریات میں پائی جاتی ہے اور جس کی وضاحت ہم بھی کررہے ہیں۔ اس میں پرویز صاحب کو منکرِ حدیث ہی ماننے سے انکار نہیں ہے بلکہ انہوں نے جن قرآنی حقائق کا انکار کیا ہے، اس کا اعتراف بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی مسلمانی سے انکار کو خلافِ دین امر بتلایا گیا ہے۔ یہ جواب ان ذہنی تحفظات کا غماز ہے جس کا شکار یہ گروہ اپنے افکار ونظریات کی وجہ سے ہے۔ وہ جانتا ہے کہ پرویز کو منکرِ حدیث ماننے کے بعد، خود ہمارا شمار بھی منکرین حدیث میں ہی ہوگا۔ کیونکہ یہ گروہ بھی منکرین حدیث کی طرح

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ معراجِ جسمانی کا منکر ہے۔
☆ متفق علیہ اور اجماعی حد رجم کا منکر ہے۔
☆ حدِزنا کے اثبات کیلئے چار گواہوں کے ضروری ہونے کا منکر ہے (جس کا بیان قرآن میں ہے)
☆ عورت کی نصف گواہی کا منکر ہے۔
☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کے قریب، آسمان سے نازل ہونے کا منکر ہے۔
☆ ظہورِ مہدی اور خروجِ دجال کا منکر ہے۔
☆ قرآن میں بیان کردہ بہت سے معجزات کا منکر ہے۔
☆ اور صحیحین (بخاری مسلم) کی متعدد روایات کا منکر ہے جن کی صحت پر اُمت کا اتفاق ہے۔ جس کی بابت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

"......أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتّصل المرفوع صحيح بالقطع وأنهما متواتران إلى مصنفيهما وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين" (حجۃ اللہ البالغہ: ۱۳۴/۱ مکتبہ سلفیہ، لاہور)

''صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) کی بابت محدثین کا اس اَمر پر اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی مرفوع متصل روایات ہیں، وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنّفین تک متواتر ہیں۔ نیز جو شخص ان دونوں کتابوں کی شان گھٹاتا ہے وہ بدعتی ہے اور مؤمنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور رستے کا پیروکار ہے۔''

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

مولانا عبدالغفار حسن

حدیث کے 'ظنی' ہونے کا مفہوم

حدیث کی عظمت واہمیت گھٹانے اور انکارِ سنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے عموماً ان آیات کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں 'ظن' کی مذمت اور اس کے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ذیل کے مضمون میں 'ظن' کی اصل حقیقت قرآن وسنت اور لغت ِعرب سے واضح کرتے ہوئے یقین وظن کے لحاظ سے سنت وحدیث کا جو مقام ہے، اس کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یقین وظن کے مختلف مراتب بھی دلائل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

'ظن' کی مذمت میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں

(۱)﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ (حجرات:۱۲)

''اے ایمان والو! گمان کی بہت سی قسموں سے بچو۔''

(۲)﴿ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَ هُمْ مِنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾

''وہ مشرکین صرف 'ظن' اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے ربّ کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔'' (النجم:۲۳)

(۳)﴿ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ (یونس:۶۶)

''وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی، وہ تو صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں''

(۴)﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ الَّا ظَنًّا، إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِى مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (یونس:۳۶)

''ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ بلاشبہ ظن حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا''

(۵)﴿وَقَالُوْا مَا هِىَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ، إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ (جاثیہ:۲۴)

''اور کہا انہوں نے: نہیں وہ مگر دنیاوی زندگی، ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ، اور ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، وہ تو صرف ظن وتخمین میں مبتلا ہیں۔''

(۶)﴿إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ (جاثیہ:۳۲)

''ہم صرف گمان ہی کرتے ہیں اور ہم یقین نہیں رکھتے''

(۷)﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (بنی اسرائیل:۳۶)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جس بات کا تمہیں علم نہیں، اس کے پیچھے مت پڑو۔''

ان آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بخاری مع الفتح: ۳۷۵/۵/ مسلم: ۲۴۸۲)

''ظن سے بچو، بیشک 'ظن' سب سے بڑا جھوٹ ہے''

'ظن' کی اصل حقیقت

مذکورہ بالا آیات اور حدیث میں 'ظن' کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اصل حقیقت کو قرآنِ وسنت اور لغتِ عرب کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ امام راغبؒ کہتے ہیں:

الظن اسم لما یحصل عن إمارة ومتیٰ قویت أدت إلی العلم ومتیٰ ضعفت جدا لم یتجاوز حد التوهّم (مفرداتِ راغب، صفحہ ۳۱۹)

''علامات وقرائن سے جو شے حاصل ہو، اسے ظن کہا جاتا ہے۔ اگر یہ علامات وقرائن قوی ہوتے ہیں تو ظن کی سرحد علم ویقین سے مل جاتی ہے اور اگر یہ قرائن بہت ہی زیادہ کمزور ہوں تو پھر انتہائی درجہ 'وہم' ہے۔''

یعنی علامات وقرائن کی قوت وضعف کے لحاظ سے ظن کے درجات ومراتب مختلف ہیں:

ظن کے مراتب واقسام

(۱) کسی شیٔ کے وجود یا عدم پر قرائن وعلامات انتہائی قوی اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہوں تو ظن کی یہ شکل 'یقین' کے ہم معنی ہے۔ قرآنِ مجید میں ظن بمعنی یقین متعدد جگہ استعمال ہوا ہے

(الف) ﴿اَلَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرہ: ۴۶)

''جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ سے ملنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں''

(ب) ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ: ۲۴۹)

''ان لوگوں نے جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں کہا: کتنے ایسے گروہ تھے جو قلتِ تعداد کے باوجود کثیر التعداد گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب آگئے۔''

ان آیات میں ظن بمعنی یقین یا قریب بہ یقین مراد لینے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید نے مؤمنوں کی ایک نمایاں صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ واضح رہے کہ آخرت اور لقاءِ ربّ کا مفہوم ایک ہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اس آیت کا مفہوم یہ لیا جائے کہ انہیں اللہ سے ملاقات کا شبہ ہے، تو اس طرح ایمان کی تکمیل ہی نہیں ہوتی، اور ایسا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول ہی نہیں کجا یہ کہ قابل تعریف ہو۔ یاد رہے کہ اس آیت میں ظن کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے ایمان کو بیان کررہے ہیں۔

(۲) ظن کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کسی شئ کے وجود یا عدم پر سو فیصدی قرائن موجود نہ ہوں بلکہ اس سے کم ہوں مثلاً ۶۰ فیصد اور اس سے زیادہ۔ اس کو اردو میں گمانِ غالب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ظن پر اعتماد و اعتبار نہ صرف یہ کہ پسندیدہ ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری اور واجب ہے۔ ظن کا یہ مفہوم ذیل کی آیات میں ملتا ہے:

(الف) ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤمِنُوْنَ وَالْمُؤمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (نور:۱۲)

''کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم نے اس (بہتان) کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے بارے میں تم اچھا گمان کرتے۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں حسن ظن (خوش گمانی) سے کیوں نہ کام لیا، کیونکہ زیادہ قرائن و علامات اسی بات کے حق میں تھے کہ حضرت عائشہؓ کا دامن اس قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ یہاں بھی اس کو 'ظن' سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں یقین کا پہلو راجح ہے۔

(ب) ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَّتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ (بقرہ:۲۳۰)

''دونوں میاں بیوی پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ آپس میں رجوع کرلیں، اگر ان کو یہ گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کرسکیں گے۔''

طلاقِ رجعی کی شکل میں میاں بیوی سے کہا جارہا ہے کہ اگر دونوں اپنے حالات اور قرائن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کرنے پر آمادہ ہوں اور اس کے لئے گمانِ غالب کی حد تک روشن امکانات موجود ہوں تو میاں بیوی اپنا گھر آباد کرسکتے ہیں۔

(۳) ظن بمعنی شک، یعنی کسی چیز کے وجود اور عدم پر یکساں قرائن و علامات موجود ہوں۔ دونوں میں سے کسی ایک کے قرائن کو ترجیح دینا ناممکن ہو۔ مثلاً ارشادِ ربانی ہے

﴿وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ (نساء:۱۵۷)

''اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ اس کی جانب سے شک میں ہیں، ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی علم و یقین نہیں ہے۔ سوائے ظن

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پیروی کے اور انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا۔''

اس آیت میں یہود کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے سلسلے میں ان کے اقوال و آراء کی بنیاد شک پر ہے، علم و یقین پر نہیں ہے۔ اسی شک اور عدمِ علم و یقین کو اتباعِ ظن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس آیت میں ظن بمعنی شک استعمال ہوا ہے۔ 'شک' کے مفہوم کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو مفردات راغب صفحہ ۲۶۶

الشك اعتدال النقيضين عند الانسان وتساويهما وذلك قديكون لوجود امارتين متساويتين عند النقيضين أولعدم الامارة منهما

(۴) ظن بمعنی وہم یعنی ایسا خیال و گمان جس کی بنیاد کسی دلیل پر نہ ہو بلکہ واضح نص اس کے خلاف موجود ہو۔ مضمون کے شروع میں جن آیات کو نقل کیا گیا ہے ان میں اسی قسم کے بے بنیاد وہم وخیال کی مذمت کی گئی ہے۔ اور حدیث میں اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۵) ظن بمعنی تہمت، جیسا کہ ایک قرأت میں ہے: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِيْنَ﴾ (سورۂ تکویر) یہاں ظنین متہم کے معنی میں ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ظن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم مذموم اور قابل اجتناب ہیں اور اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں۔

ابتداءِ مضمون میں ذکر کردہ زیر بحث آیات پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت نمبر (۱) میں فرمایا گیا ہے کہ گمان کی بہت سی قسموں سے بچو، معلوم ہوا کہ گمان (ظن) کی ہر شکل قابل مذمت نہیں ہے، اس لئے بعد میں ارشاد ہوا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ ''بلاشبہ گمان کی بعض صورتیں گناہ ہیں۔''

آیات (۲،۳،۴) میں مشرکین کے عقیدۂ شرک اور ان کے مشرکانہ اقوال اور رسم و رواج کو بیان کیا گیا ہے اور آخر میں ان کے عقائد کی بنیاد ظن وتخمین کو قرار دیا گیا ہے، یعنی ان کے ان عقائد و رسوم کی پشت پر کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس شرک کی تردید اور توحید کے اثبات میں نہایت قوی عقلی اور کائناتی دلیل وقرائن موجود ہیں۔

آیت (۵) میں حشر و نشر کے انکار کو 'ظن' یعنی بے بنیاد وہم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ حشر و نشر (زندگی بعد موت) کا ثبوت متعدد عقلی اور نقلی دلائل و براہین سے واضح ہو چکا ہے۔ اس کا انکار کسی یقین اور علمی استدلال پر مبنی نہیں ہے۔

آیت (۶) میں مشرکین کا مقولہ نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا،

آیت (۷) میں ان باتوں کے پیچھے پڑنے اور ان کے بارے میں زبان کھولنے سے منع کیا گیا ہے

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کی بنیاد وہم و خیال پر ہو۔ اس لحاظ سے یہ آیت، آیت نمبر ا کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح حدیث "وایاکم والظن" میں اس ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو شکی اور وہمی مزاج کی پیداوار ہو۔

'ظن' کے یہ مراتب و اقسام اسی طرح ہیں، جس طرح کہ 'یقین' کے متعدد مراتب و اقسام قرآنِ مجید سے معلوم ہوتے ہیں :

مراتبِ یقین

قرآن مجید میں یقین کے تین مراتب و منازل بیان کئے گئے ہیں:

علم اليقين   عين اليقين   اور حق اليقين

امام ابن تیمیہؒ نے ان تینوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علم اليقين علم کے اس درجہ کا نام ہے جو کسی شخص کو کسی کی بات سننے، کسی دوسرے شخص کے بتلانے اور کسی امر میں قیاس اور غوروفکر کرنے سے حاصل ہو۔ پھر جب اسے آنکھوں سے مشاہدہ اور معائنہ کرلے گا تو اسے عين اليقين کا مرتبہ حاصل ہوجائے گا اور جب دیکھنے کے بعد اسے چھوئے گا، محسوس کرے گا، اسے چکھے گا اور اس کی حقیقت کو پہچان لے گا تو اسے حق اليقين کا مقام حاصل ہوجائے گا۔ علم اليقين کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں مقام پر شہد ہے، اب راوی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا علم اليقين ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ خود آنکھوں سے شہد کے چھتے کا مشاہدہ کرلیا جائے، یہ عين اليقين کا مرتبہ ہے۔ یہ درجہ پہلے مرتبہ کی بہ نسبت اعلیٰ اور یقین واذعان کے لحاظ سے اونچا مقام رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ليس المخبر كالمعائن یعنی جو کان سے سن لے وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو آنکھ سے دیکھ لے، حق اليقين کی مثال یہ ہے کہ کسی نے شہد کو چکھ کر اس کا مزہ اور اس کی مٹھاس محسوس کر لی۔ یہ تیسرا درجہ دوسرے درجہ کی نسبت ارفع و اعلیٰ ہے۔☆

اب یوں سمجھنا چاہئے کہ جہاں سے یقین کا ابتدائی درجہ شروع ہوتا ہے وہاں ظن کی اعلیٰ ترین قسم کی سرحد ختم ہوجاتی ہے۔ یقین سے یہ تینوں مراتب درجہ بدرجہ شریعتِ اسلامیہ میں مطلوب ہیں۔ لیکن 'ظن' کی مذکورہ بالا پانچ اقسام میں سے دو یعنی ظن بمعنی یقین اور ظن بمعنی گمانِ غالب مستحسن ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ان پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ باقی رہیں آخری تین قسمیں تو ان سے احتراز و اجتناب ضروری ہے۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں حدیث کو 'ظنی' یا مفید کہا گیا ہے۔ اس سے مراد 'ظن' کے پہلے یا دوسرے معنی ہوسکتے ہیں نہ کہ تیسرے اور چوتھے معنی۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ کی اس بحث کا مکمل ترجمہ 'محدث' نومبر ۲۰۰۰ء میں شائع ہوچکا ہے، دیکھیں درجات اليقين صفحہ ۹ تا ۱۵

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ گمانِ غالب کے لحاظ سے مفید ظن روایات کو اخبارِ آحاد کہا جاتا ہے یعنی ایسی حدیث جن کے راوی تعداد کے اعتبار سے حدِتواتر کو نہ پہنچے ہوں۔

خبر متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہوجانا ناممکن ہو۔

اب یقین کے مختلف مراتب اور ظن کی متعدد صورتوں کے اعتبار سے حدیث کی حسبِ ذیل اقسام ہیں

(۱) ایسے عملی☆ مسائل پر مشتمل احادیث جو اُمت میں شروع سے اب تک بغیر کسی اختلاف کے ایک دور سے دوسرے دور میں منتقل ہوتی رہی ہیں مثلاً اذان و اقامت کے کلمات، صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، اور عصر کی چار رکعتیں، رکوع و سجود کی تعداد، اس قسم کے بیسیوں وہ اُمور ہیں جو حدیث کی مستند کتابوں میں درج نہیں اور ان کی تائید میں پوری امت کا تعامل (عملدرآمد) بغیر کسی شائبہ اختلاف کے موجود ہے۔ سنت و حدیث کا یہ وہ سرمایہ ہے جس کا یقینی پہلو قرآنِ مجید کے کلام الٰہی ہونے کی طرح محکم اور مضبوط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے کاتبوں اور حافظوں کی تعداد اگر ہر دور میں لاکھوں رہی ہوگی، تو نمازیوں اور روزہ رکھنے والوں کی گنتی کروڑوں سے کم نہ ہوگی۔ تواتر اور راویوں کی ان گنت تعداد کے لحاظ سے حدیث کا یہ سرمایہ قرآن ہی کی طرح یقینی ہے۔ اس کا انکار خود قرآن کے انکار کے ہم معنی ہے۔

حدیث کا یہ سرمایہ شک وشبہ سے بالاتر ہونے کے اعتبار سے حق الیقین کا مقام رکھتا ہے۔

(۲) تواتر کی دوسری قسم علم کی اصطلاح میں تواتر طبقۃ عن الطبقۃ کہلاتی ہے۔ یعنی ایک دور کے اَن گنت افراد دوسرے اور بے شمار لوگوں کی طرف کامل اتفاق کے ساتھ کسی بات کو منتقل کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال قرآن مجید کا ایک دور سے دوسرے دور کی طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہونا ہے۔ یہ قسم بھی حق الیقین کے درجہ میں ہے۔

(۳) تواتر اسناد، یعنی حدیث کا ایک متن متعدد سندوں سے مروی ہو، یہ تعداد بھی اتنی ہو کہ حدتواتر تک پہنچ جائے مثلاً حدیث من كذب علی متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار

یعنی ''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔''

یہ روایت ۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ ایک دوسری تحقیق کے مطابق صحابہ کی تعداد ۱۰۰ سے بھی متجاوز ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ ابن صلاح، صفحہ ۱۳۵

☆اس نکتہ پر ضروری تبصرہ کے لئے اسی شمارہ کے صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ختم نبوت پر احادیث ۱۵۰ صحابہ سے مروی ہیں جن میں سے تیس صحابہ کے اسماے گرامی صحاحِ ستہ میں ملتے ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم، صفحہ ٦)

(۴) تواتر قدرِ مشترک یا تواترِ معنوی۔ یعنی کسی واقعہ کے بارے میں منقول تمام جزئیات وتفصیلات تو حد تواتر کو نہیں پہنچتیں لیکن مختلف روایات میں جو قدرِ مشترک پایا جاتا ہے، اس کے متواتر ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً حاتم طائی کی سخاوت کے بارے میں جو تفصیلات زبان زدِ عوام ہیں وہ سب کی سب متواتر نہیں ہیں۔ لیکن ان سب حکایات و واقعات میں ایک بات قدرِ مشترک کی حیثیت سے پائی جاتی ہے اور وہ ہے حاتم کی بے پناہ جود وسخا۔ اس کا انکار ہدایت کے انکار کا ہم معنی ہے۔ سنت کے مستند ذخیرے میں اس تواتر کی نمایاں مثال احادیثِ معجزات ہیں۔ یہ روایات اپنی سند اور راویوں کی تعداد کے لحاظ سے متواتر کی حد سے کم ہیں لیکن ان میں جو قدرِ مشترک پایا جاتا ہے، اس کے متواتر ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان احادیث میں یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض ایسے افعال کا صدور ہوا ہے جو خارقِ عادت اور سلسلہ اسباب سے ماوراء ہیں۔

حدیث کی اقسام (۳،۴) سے یقین و اطمینان کی وہی کیفیت حاصل ہوتی ہے جو عین الیقین سے حاصل ہوسکتی ہے۔

حدیثِ متواتر کی ان اقسام کے بعد خبر واحد کا نمبر آتا ہے۔ راویوں کی تعداد اور ان کی ثقاہت کے لحاظ سے اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے بعض اقسام مفید یقین ہیں یعنی ان سے علم الیقین کی سی اطمینانی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور بعض انواع مفیدِ ظن ہیں یعنی گمانِ غالب کی حد تک انسان ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

ایسی روایات جو راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدِ تواتر کو نہ پہنچ سکیں ان کو اخبارِ آحاد (خبر واحد) شمار کیا جاتا ہے۔ خبر واحد کی راویوں کی تعداد کے اعتبار سے چند قسمیں ہیں

(۱) مشہور، ایسی روایت جس کے سلسلہ سند میں شروع سے آخر تک (یعنی ہر دور میں) راویوں کی تعداد دو سے زیادہ ہو۔

(۲) عزیز، ایسی حدیث جس کی تعدادِ رواۃ ہر دور میں دو سے کم نہ ہو۔

(۳) غریب، ایسی روایت جس کی سند کسی دور میں یا تمام اَدوار میں ایک راوی پر مشتمل ہو۔

واضح رہے کہ محدثین کے نزدیک اگر کسی روایت کی سند کے اکثر اَدوار میں راویوں کی تعداد

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزاروں سے بھی متجاوز ہو لیکن کسی ایک دور میں ایک ہی راوی ہو تو اس روایت پر 'غریب' ہی کا اطلاق ہوگا۔
یہی حال خبر واحد کی دوسری انواع کا بھی ہے، مثلاً بعض محدثین کی بعض روایات کی سند اس طرح پر ہے:
عن أحمد بن حنبل عن الشافعي عن مالك عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللهﷺ
اس سند میں مؤلفِ کتاب (محدث) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان چار واسطے پائے جاتے ہیں۔ اب اگر تین واسطوں کے سامنے بہت سے راوی موجود ہوں لیکن ایک واسطہ بھی اپنی جگہ منفرد رہ جائے تو یہ حدیث غرابت سے خالی نہ ہوگی۔ اس قسم کی احادیث کے راوی اگر ثقہ اور قابل اعتماد ہوں تو یہ محدثین کے نزدیک قابل قبول ہوتی ہیں۔ لیکن خبر واحد کی ان اَنواع کو ظنی (مفیدِ ظن) قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ظن سے مراد گمانِ غالب ہے، جس کی سرحدیں علم ویقین سے انتہائی قریب ہوتی ہیں۔

شریعت میں گمانِ غالب قابل اعتماد ہے!

شریعتِ اسلامیہ میں ان تمام ذرائع پر اعتماد کیا گیا ہے جن کی بنیاد گمانِ غالب پر ہوتی ہے۔ مثلاً قرآنِ مجید کی آیت ﴿وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ﴾ کی روشنی میں دو عادل گواہوں کی شہادت پر اعتماد کیا گیا ہے اور اس شہادت کی بنا پر قتل جیسے فوجداری معاملات کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اس شہادت کا درجہ بھی سو فیصدی یقینی نہیں ہے، بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ ظن (گمانِ غالب) ہی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس مسلمان کی جان کا تحفظ (عصمت) قرآن اور سنتِ متواترہ کے ذریعہ ثابت ہے، اسی کو دو عادل گواہوں کی شہادت کی بنا پر قتل کا مجرم قرار دیتے ہوئے قصاص میں پھانسی پر لٹکایا جاسکتا ہے۔

خبر واحد کا یقینی پہلو

محدثین کرامؒ نے جہاں خبر واحد کو مفیدِ ظن کہا ہے وہاں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ اگر خبر واحد کے ساتھ دوسرے قرائن وشواہد وابستہ ہوں تو یقین کا پہلو نکل آتا ہے۔ یعنی خبر واحد مشتمل بر قرائن وشواہد علم الیقین کا فائدہ دیتی ہے۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان قرائن وشواہد کی تین مثالیں دی گئی ہیں:

(۱) بخاری ومسلم کی وہ تمام روایات جو محدثین کے نقد وتبصرے سے بالاتر رہی ہیں۔ صحت وقوت اور قبولیتِ عام کے لحاظ سے ان کا درجہ ان روایات سے کہیں زیادہ بلند ہے جو صرف راویوں کی ثقاہت کی بنا پر قابل اعتماد ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو تلقّی بالقبول (قبولیتِ علما) کا مقام حاصل ہونا، اور ان کی صحت قابل اعتماد ہونے پر اُمت کا اجماع واتفاق ہونا، ایسے مضبوط قرائن وشواہد ہیں کہ جن کی بنا پر یہ احادیث مفیدِ علم ویقین قرار پاتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) حدیث مشہور بھی مفیدِ علم و یقین ہے جب کہ وہ متعدد الگ الگ سندوں سے مروی ہو اور ہر قسم کی فنی خامی اور راویوں کے ضعف سے پاک ہو۔

(۳) حدیثِ مسلسل بالائمہ، یعنی ایسی حدیث جس کے راوی ہر دور میں مشہور اہل علم میں سے ہوں بشرطیکہ وہ اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد نہ ہوں بلکہ علم وتقویٰ کے لحاظ سے ان کی ہم پلہ کوئی دوسری شخصیت بھی ان کی ہم نوا ہو۔ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ سے روایت کریں اور وہ بھی امام مالکؒ سے۔ ظاہر ہے ان تینوں بزرگوں کی ثقاہت اور علمی جلالت وعظمت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ اب اگر ان میں سے ہر امام کے ساتھ ایک دوسرا جلیل القدر عالم بھی شریکِ روایت ہوتو سہو ونسیان کا امکان انتہائی کم سے کم رہ جاتا ہے اور اگر مذکورہ بالا تینوں شکلیں کسی ایک ہی حدیث میں یکجا ہوجائیں تو اس صورت میں قطعیت اور یقین کا پہلو اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ یعنی جب ایک روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہو، راویوں کی تعداد کے لحاظ سے مشہور ہو، اور راوی بھی اکابر ائمہ دین میں سے ہوں۔

ان کے علاوہ اور بھی قرائن وشواہد ہوسکتے ہیں جن کی تفصیل کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خبر واحد کی بھی متعدد انواع مفیدِ علم الیقین ہیں۔ اب صرف وہ اخبارِ آحاد رہ جاتی ہیں، جن کے راوی تقوے اور حافظہ کے لحاظ سے تو قابل اعتماد ہیں لیکن دوسرے قرائن وشواہد سے ان کو تقویت اور تائید حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ ان روایات کو بھی صحت وقوت کے لحاظ سے مختلف مراتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً صحیح لذاتہٖ، حسن لذاتہٖ، صحیح لغیرہٖ، حسن لغیرہٖ۔

(۱) صحیح لذاتہٖ سے مراد وہ روایت ہے جس کے راوی عدالت (تقویٰ) اور قوتِ حافظہ کے لحاظ سے قابل اعتماد ہوں، سند کی تمام کڑیاں باہمی متصل ومربوط ہوں، انقطاع کے نقص سے پاک ہوں اور ہر قسم کی ان فنی خامیوں سے مبرا ہوں۔ جن کو فن حدیث کے ماہرین ہی جان سکتے ہیں، اسی طرح وہ روایت ہر قسم کے شذوذ سے پاک ہو (شذوذ کا مطلب محدثین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ قابل اعتماد راوی سے حدیث میں یا دو تین ثقہ راویوں سے سند یا متن حدیث کے بیان میں اختلاف کرے) یہ پانچ شرطیں جس حدیث میں پورے کمال کے ساتھ پائی جائیں وہ 'صحیح لذاتہٖ' شمار ہوگی۔

(۲) اگر تمام شرائط کے باوجود حافظہ میں کچھ کمی پائی جاتی ہے تو اس روایت کو حسن لذاتہٖ کہا جاتا ہے۔

(۳) 'حسن لذاتہٖ' اگر کئی طرق (سندوں) سے مروی ہو تو اس کا نام صحیح لغیرہٖ ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) اگر کسی روایت میں ضعف کے متعدد وجوہ موجود ہوں، لیکن اس ضعف کی تلافی اس بنا پر ہوگئی ہو کہ وہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے تو ایسی حدیث کو 'حسن لغیرہ' کہا جاتا ہے۔ محدثین کرامؒ نے کسی روایت کو غرابت یا ضعف سے پاک کرنے کے لئے توابع وشواہد کی جستجو کا بھی اہتمام کیا ہے۔

مثلا ایک شخص مولانا شبیر احمد عثمانی اوران کے اساتذہ کے واسطے سے ایک قول شاہ ولی اللہؒ کی طرف منسوب کرتا ہے، اب اگر تلاش وجستجو سے مولانا مرحوم کا کوئی دوسرا شاگرد بھی اس قول کا راوی نکل آتا ہے تو اسے محدثین کی اصطلاح میں 'تابع' کہتے ہیں، لیکن اگر کسی دوسری سند مثلاً مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے واسطے سے اس قول کی تائید ہوجاتی ہے تو اسے 'شاہد' کہتے ہیں، اصول حدیث میں توابع وشواہد کی جستجو کا نام 'اعتبار' ہے۔ محدثین کے ہاں اس 'اعتبار' کی بڑی قدر وقیمت ہے۔ انہوں نے انتہائی کوشش اور جانفشانی سے ہزاروں روایات کے شواہد وتوابع کو ڈھونڈھ نکالا ہے۔ اس لئے پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ احکام ومسائل کے بارے میں شاید ہی ایسی کوئی منفرد روایت ہو جس کے توابع وشواہد کا کھوج محدثین نے نہ لگایا ہو۔ ولله درّهم جزاهم الله عنا وعن سائرالمسلمين خيرا

ان شواہد وتوابع، کی بنا پر بہت سی غریب یا حسن روایات گمان غالب سے بڑھ کر یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔

چند شبہات

علم حدیث پر مسلمانوں کو جو وثوق واعتماد ہے، اس کو متزلزل کرنے اور ذخیرۂ روایات کو مشکوک ٹھہرانے کے لئے منکرین سنت کی طرف سے متعدد شبہات پھیلائے گئے ہیں۔

ایک لاکھ روایات: کہا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب (صحیح بخاری جو سات ہزار روایات پر مشتمل ہے) کا انتخاب ایک لاکھ احادیث میں سے کیا تھا۔ امام بخاریؒ کا اتنی بڑی تعداد کو نظر انداز کردینے کے معنی یہ ہیں کہ تیسری صدی ہجری تک احادیث کے نام سے بہت سی رطب ویابس روایات کا اضافہ کردیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے اَنبار میں سے اصل حقیقت کا سراغ لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایک لاکھ کا عدد پیش کرتے ہوئے جو مغالطہ دیا جاتا ہے، اس کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حقائق پیش نظر رہنے چاہئیں۔

محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک متن حدیث متعدد سندوں سے آیا ہے تو یہ متن اپنی ہر سند کے لحاظ سے ایک حدیث شمار ہوتا ہے۔ مثلاً مشہور حدیث إنما الأعمال بالنيات سات سو سندوں سے مروی ہے یعنی ایک حدیث کے سینکڑوں توابع وشواہد ہیں۔ فن حدیث میں یہ ایک حدیث نہیں بلکہ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سات سو حدیثیں شمار ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب امام بخاریؒ کی ایک ہی حدیث کی سندیں سینکڑوں تک پہنچتی ہیں تو باقی روایات کے توابع وشواہد کی تعداد کہاں تک پہنچے گی۔ اس کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہارمرا (تلقیح ابن جوزی، مقدمہ ابن صلاح، صفحہ ۱۱)

واضح رہے کہ محدثین کی تحقیق کے مطابق تمام رطب و یابس روایات [متونِ احادیث، ادارہ] پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، امام حاکمؒ کا قول ہے کہ صحت وقوت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

۲۔ محدثین 'حدیث' کا وسیع مفہوم لیتے ہوئے اس کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے آثار و اقوال پر بھی کردیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ امام بخاریؒ نے ایک لاکھ میں سے خالص مرفوع احادیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور اُسوۂ حسنہ پر مشتمل روایات کو چھانٹ لیا۔ ظاہر ہے کہ امام محترم کا یہ طرزِ عمل اُمت ِاسلامیہ پر ایک بہت بڑا احسان ہے نہ کہ حدیث کے بارے میں وسوسہ اندازی کا موجب۔

۳۔ قرآنی کلمات ﴿مَاعُوْنَ﴾ کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین سے سات قول اور ﴿نَعِيْم﴾ (سورہ تکاثر) کے بارے میں دس قول منقول ہیں۔ اہل علم کے ہاں ہر قول پر لفظ حدیث کا اِطلاق کیا جاتا ہے۔ (مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۲)۔ اس ساری تفصیل سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ کے عدد کو ہوا بنا کر پیش کرنا کس قدر مغالطہ انگیز ہے۔

روایت ِبالمعنی

دوسرا شبہ روایت بالمعنی کی بنیاد پر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی استاذ اپنے شاگرد کی طرف ان الفاظ کو منتقل نہیں کرتا جو اس نے اپنے استاذ سے سنے ہیں بلکہ ان کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح بہت سے معانی کے اداء مطالب میں تبدیلی واقع ہوسکتی ہے۔

۱۔ روایت ِبالمعنی فی نفسہٖ ناجائز یا قابل نفرت نہیں ہے، خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایک ہی قصہ کو اور ایک ہی شخص یا گروہ کی گفتگو کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے ایک جگہ ارشاد ہوا

﴿هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسىٰ، إِذْ رَاٰى نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا إِنِّى اٰنَسْتُ نَارًا لَعَلِّى اٰتِيْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْاَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ (سورۃ طہٰ ،۱۰)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا إِنِّى اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّى اٰتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْجَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ (سورۂ قصص:۲۹)

تیسرے مقام پر ارشاد ہوا

﴿إذْ قَالَ مُوسىٰ لِاَهْلِهِ إنِّی اٰنَسْتُ نَارًا، سَاٰتِيْكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ (سورۃ النمل: ۷)

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں ایمان لانے والے جادوگروں کی گفتگو متعدد مقامات پر مختلف اَلفاظ میں بیان ہوئی ہے، اصل مفہوم سب جگہ ایک ہے لیکن الفاظ میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

۲۔ آنحضور ﷺ کے اِرشادات کا بہت بڑا حصہ بعینہٖ الفاظِ نبوی کے ساتھ منقول ہے۔ مثلاً اذان و اقامت کے کلمات، اذکار و ادعیہ کے الفاظ اور احادیثِ قدسیہ۔ ان کے علاوہ اَحکام و اخلاق کے متعلق احادیث کا وہ تہائی حصہ فعلی اور تقریری روایات پر مشتمل ہے (تقریر کے معنی ہیں کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور اس پر آپ نے انکار نہ فرمایا ہو)۔ فعلی اور تقریری احادیث کے لئے اصل الفاظ تو موجود ہی نہیں ہوتے جن کی پابندی کی شرط لگائی جائے۔

روایت بالمعنی کا اگر سوال پیدا ہوسکتا ہے تو وہ صرف قولی اَحادیث کے بارے میں۔ اسی طرح پورے ذخیرۂ روایات پر غور کرنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جن احادیث میں روایت بالمعنی کا احتمال ممکن ہے، وہ ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہیں۔ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا گیا ہے تو اس کے لئے محدثین نے بڑی شرطیں لگائی ہیں، یعنی یہ طریق کار وہی لوگ اختیار کرسکتے ہیں جو زبان کے ماہر اور لغت کی وسعتوں پر پوری طرح قابو پاسکتے ہوں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

ولايجوز تعمد تغيير المتن مطلقا ولا الاختصار منه بالنقص، ولا إبدال اللفظ المرادف للفظ المرادف له إلا لعالم بمدلولات الألفاظ وبما يحيل المعنى

یعنی ''متن حدیث کے اَلفاظ میں عمداً تبدیلی کرنا یا اختصار کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ایک ہم معنی لفظ کو دوسرے ہم معنی لفظ سے بدلنا جائز ہے۔ ہاں یہ کام اسی کے لئے جائز ہوسکتا ہے جو الفاظ کے معانی و مطالب سے بخوبی واقف اور باخبر ہو۔'' (شرح نخبۃ الفکر)

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شرح مسلم مقدمہ امام نووی رفتح المغیث شرح الحدیث العراقی، صفحہ ۵۷۶

۳۔ اگر اہل علم اور ماہرین لغت کے لئے بھی روایت بالمعنی کی اجازت نہ ہو تو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ بھی حرام قرار پاتا ہے اور ترجمانی بھی ناجائز ٹھہرتی ہے۔ حالانکہ اس بارے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مواقع پر غیر عربی لوگوں سے ترجمانی کے واسطے سے گفتگو کی ہے اور اسلام کا پیغام پہنچایا ہے۔ سردست انہی دو شبہات کے جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

حافظ صلاح الدین یوسف

مسلماتِ اسلامیہ سے انکار وانحراف کی راہ

مولانا امین احسن اصلاحی، جن کا انتقال ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں ہوا، اپنے دور کے اُن چند سربرآوردہ اہل علم واہل قلم میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت سے حصہ وافر عطا فرمایا ہوتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد متعدد حضرات نے ان کی علمی و دینی خدمات بالخصوص تفسیری خدمات اور ان کے علم وفضل پر روشنی ڈالی ہے اور انہیں اپنے وقت کا عظیم مفسر اِسلامی دانش ور اور بلند پایہ محقق باور کرایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے انہیں علم وفضل اور انشاء وتحریر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ 'تدبرِقرآن' کے مصنف ہونے کے اعتبار سے ایک 'مفسر' کے طور پر بھی مشہور ہیں، اپنے دروسِ حدیث کی بنا پر ان کے تلامذہ ان کو ایک 'محدث' بھی شمار کرتے ہیں اور فقہی مباحث میں ان کی بلند آہنگی کی وجہ سے انہیں 'فقیہ' بھی سمجھتے ہیں اور بعض کلامی خدمات کی بنیاد پر شاید انہیں ایک 'متکلم' اور فکرِفراہی کا ایک 'عظیم مفکر' بھی قرار دیتے ہوں۔ لیکن راقم کے خیال میں مولانا موصوف ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ان کی ذہانت کی فراوانی نے زیغ وضلال میں مبتلا کردیا اور ﴿وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (الجاثیۃ: ۲۳) کا مصداق بنا دیا۔ ؎ اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی!

سرسید احمد خاں، مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز وغیرہم کو دیکھ لیجیے۔ ان کا شمار بھی ذہین وفطین لوگوں میں ہوتا ہے، لیکن ان حضرات نے مسلمہ اسلامی عقائد کا جس طرح حلیہ مسخ کیا ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں اور یہ حضرات اپنے اپنے دائروں میں جس طرح گمراہی کے امام وپیشوا بنے، وہ بھی کوئی مخفی راز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذہانت وفطانت اور علم وفن میں اونچے مقام پر فائز ہونا، یہ کوئی خاص اعزاز نہیں۔ بہت سے ائمہ کفر وضلال بھی ان چیزوں سے بہرہ وَر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے گو دنیا میں شہرت وناموری ضرور حاصل کرلی ہو، مگر عنداللہ ان کا کوئی مقام نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ کے ہاں مجرم ہی نہیں، اکابر مجرمین میں سے ہوں گے۔ جن پر ان کی اپنی ہی گمراہی کا بوجھ نہیں ہوگا، بلکہ ان ہزاروں اور لاکھوں افراد کے گناہوں کی بھی ذمے داری ہوگی جو ان کے افکار وآرا سے گمراہ ہوئے ہوں گے۔

بہت سے لوگ راقم کی اس رائے سے چونکیں گے اور مولانا اصلاحی کو بھی ائمہ ضلال میں شمار کرنے

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر تعجب کا اظہار کریں گے، کیونکہ جنہوں نے ان کی کتابیں نہیں پڑھی ہیں یا صرف ان کے دورِ جوانی کی تحریریں ان کے علم میں ہیں جیسے پاکستانی عورت دوراہے پر، عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ، تزکیۂ نفس، توضیحات، حقیقتِ توحید، حقیقتِ شرک، حقیقتِ تقویٰ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ایک مضمون 'دین میں حکمتِ عملی کا مقام' پر مفصل تنقید، جو ماہنامہ 'میثاق' کے ابتدائی دور میں اس کے اِدارتی کالموں میں مسلسل شائع ہوئی اور اس قسم کی بعض اور تحریریں اور مقالات، بلاشبہ یہ تصنیفات نہایت مفید اور زوردار ہیں۔ ان کتابوں اور تحریروں میں وہ ایک بلند پایہ عالم، محقق اور صاحبِ اسلوب انشا پرداز نظر آتے ہیں۔ پڑھنے والا اِن سے متاثر اور محظوظ ہوتا ہے اور ان کی علمی عظمت کا نقش اس کے دل پر ثبت ہوتا ہے۔ جن حضرات کی نظر سے مولانا اصلاحی کی صرف یہ کتابیں اور تحریریں گزری ہیں، ان کے لیے راقم کی باتیں یقیناً ایک انکشاف کا درجہ رکھتی ہیں، جن پر ان کا متعجب ہونا قابل فہم ہے۔

لیکن جن حضرات نے ان کے مابعد کام کو دقتِ نظر اور غور وفکر سے دیکھا اور پڑھا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے پہلے دور اور دوسرے دور میں زمین آسمان کا فرق ہے یا وہ ایسے فکری تضاد کا شکار ہوئے کہ جس کی توجیہ ممکن نہیں اور ان کے متضاد افکار کے درمیان کوئی بڑا سے بڑا فلاسفر بھی تطبیق دینے پر قادر نہیں۔ اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: إنما الأعمال بالخواتيم زندگی کے آخری دور کے اعمال ہی انسان کی نجات یا عدمِ نجات کی بنیاد ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ عنداللہ ان کا شمار دُعاۃِ ضلال ہی میں ہو، کیونکہ عمر کے آخری دور میں ان کے زبان وقلم سے ایسی چیزیں منظرِ عام پر آئی ہیں جو صریح گمراہی پر مبنی ہیں، بلکہ اجماعِ امت سے انحراف کی وجہ سے ان پر کفر تک کا اطلاق ممکن ہے۔

'محدث' کے صفحات زیادہ تفصیل کے متحمل نہیں تاہم وضاحت کے لیے چند مثالیں ناگزیر ہیں۔ راقم کے لیے یہ کوئی خوش گوار فریضہ نہیں کہ وہ ایک فوت شدہ عالم دین پر تنقید کر رہا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک نہایت تلخ اور بہت ہی ناگوار جرعہ ہے جو بڑے جبر سے نوشِ جان کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن چونکہ یہ معاملہ دین کا اور اس کے تحفظ کا ہے، دینی مسلمات تمام شخصیتوں سے بالا ہیں، ان کے مقابلے میں بڑے سے بڑا آدمی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر کوئی زعم کبریائی میں یا علم کے غرے میں دینی مسلمات کا انکار یا ان کا استخفاف کرتا ہے، تو وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں اور علما کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی حقیقت سے لوگوں کو باخبر کریں تاکہ کوئی مسلمان اس کے دامِ ہم رنگ زمیں کا شکار ہو، نہ اس کے علم وفضل سے کسی دھوکے میں مبتلا ہو۔ راقم یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو لوگ مولانا اصلاحی کی تعریف میں مقالات کے انبار لگا رہے ہیں، وہ یا تو غلوِ عقیدت کا شکار ہیں جس نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہے، یا پھر وہ اُن کے گمراہانہ افکار سے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے خبر ہیں اور وہ صرف اُن کی پہلی تحریروں سے ہی آگاہ ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تصویر کا دوسرا پہلو بھی اُجاگر کیا جائے، تاکہ ان کا دوسرا پہلو یا دوسرا رُخ بھی قارئین کے سامنے آجائے: ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال:۴۲)

حدیثِ رسول کا استخفاف اور انکار

مولانا اصلاحی کی ایک عظیم گمراہی یا فکری تضاد یہ ہے کہ ان کے ہاں حدیثِ رسول ﷺ کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ قرآن فہمی کے لیے جاہلی اَدب کو سب سے زیادہ ضروری قرار دیتے ہیں، جس کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے، اس کے مقابلے میں حدیث کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں، جو باسند ہیں اور ان کی حفاظت کے لیے محدثین نے بے مثال کاوشیں کی ہیں۔ اور یہ ثانوی حیثیت بھی صرف زبان کی حد تک ہی ہے، عملاً حدیث کی ان کے ہاں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے بلکہ وہ حدیث کو منکرین حدیث کی طرح صرف وہیں استعمال کرتے ہیں جہاں اس کا استعمال ان کے لیے مفید ہو۔ منکرین حدیث بھی بوقتِ ضرورت حدیث سے استفادہ کرتے اور حوالہ دیتے ہیں، ورنہ وہ حدیث کو دین کا ماخذ اور شرعی حجت تسلیم نہیں کرتے۔

مولانا اصلاحی صاحب کا فکری تضاد یہ ہے کہ وہ متجددین اور منکرین حدیث کے ردّ میں جب قلم اُٹھاتے ہیں تو یقیناً وہ حدیث کو حجتِ شرعیہ باور کرانے میں پورا زورِ قلم صرف کرتے ہیں (جیسا کہ ان کے دورِ اول کی کتابوں میں ہے) لیکن آخری دور میں جب انہوں نے اپنی توجہ تفسیر پر مبذول کردی، تو حدیث کو نظر انداز کردیا، اور حدیثِ رسول کے مقابلے میں لغت کو، جاہلی ادب کو اور اپنی عقل وفہم کو زیادہ اہمیت دی۔ اور اپنی تفسیر کی تکمیل کے بعد انہوں نے تدبرِ حدیث کا آغاز کیا اور اس موضوع پر اپنے حلقۂ اِرادت میں چند لیکچرز دیئے، جو 'مبادیٔ تدبرِ حدیث' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

اس کتاب میں انہوں نے حدیث کے پرکھنے کے محدثانہ اُصول کو ناکافی قرار دیتے ہوئے، خود نئے اُصول وَضع کیے ہیں، جس کی وجہ سے محدثین کی ساری کاوشیں تو بے کار قرار پاتی ہیں اور ان کے مجموعہ ہائے احادیثِ صحیحہ بے وقعت۔ مولانا اصلاحی کے گھڑے ہوئے اُصولوں کی رو سے صحیح حدیث وہ نہیں ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے یا جو محدثین کے مسلمہ نقد وجرح کی روشنی میں صحیح ہے، بلکہ وہ حدیث صحیح ہوگی جو اصلاحی من گھڑت اُصول کی روشنی میں صحیح ہوگی، چاہے محدثین کے مسلمہ اُصول کی رو سے وہ ضعیف ہی ہو۔ اور وہ حدیث ضعیف ہوگی جسے اصلاحی صاحب کے گھڑے ہوئے اُصول کی تائید حاصل نہ ہوگی، چاہے محدثین کے ہاں اس کی صحت مسلم ہو۔

تفسیر 'تدبرِ قرآن' میں عملی طور پر حدیث کو نظر انداز کرکے اور 'مبادیٔ تدبرِ حدیث' میں نقدِ حدیث کے

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ نئے اُصول گھڑ کر کیا انکارِ حدیث کا راستہ چوپٹ نہیں کھول دیا گیا ہے؟ (اِس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔)

حدِ رجم اور احادیثِ رجم کا انکار

مولانا اصلاحی کی دوسری عظیم گمراہی (جو کئی گمراہیوں کا مجموعہ ہے) حدِ رجم کا انکار ہے۔ اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے۔ اس سزا پر صحابہ کرام کا بھی اجماع ہے اور امت کا بھی، نہ صحابہ میں سے کسی نے اس سے اختلاف کیا، نہ امت کے کسی عالم وفقیہ نے۔ نبی ﷺ کے سامنے بھی زِنا کے جو بعض کیس آئے، اس میں آپ نے تحقّق زنا کے بعد جو استفسار فرمایا، وہ یہی تھا کہ یہ زانی شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔ اور یہ معلوم ہونے پر کہ یہ شادی شدہ ہے آپ نے بلا تامل رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ خلفاے راشدین کا بھی یہی معمول رہا، اور اُمت کے تمام فقہاء وائمہ نے بھی یہی کہا۔ یعنی شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی سزا میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا، کوئی دوسری رائے سامنے نہیں آئی، سوائے خوارج کے جنہیں مسلمانوں نے کبھی 'مسلمان' ہی نہیں سمجھا۔

لیکن مولانا اصلاحی صاحب نے کہا کہ زانی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، دونوں کی سزا ایک ہی ہے اور وہ ہے سو کوڑے۔ ان کے نزدیک رجم کی سزا صرف زِنا کے ارتکاب پر نہیں دی جاسکتی۔ البتہ اس زانی کو بطورِ تعزیر یہ سزا دی جاسکتی ہے جو معاشرے کی عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جائے، جو زنا اور اغوا کو پیشہ بنالے، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالے اور کھلم کھلا زنا بالجبر کا مرتکب ہو (تفسیر 'تدبر قرآن': ج ۴، ص ۵۰۴، ۵۰۵)

گویا اصلاحی صاحب نے یہ 'اجتہاد' فرمایا ہے کہ رجم، زنا کی سزا نہیں ہے، صرف غنڈہ گردی کی تعزیری سزا ہے، جو وقت کے حاکم اور قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے۔ وہ کسی غنڈے کے لیے رجم کی سزا تجویز کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، شریعتِ اسلامیہ میں یہ سزا بطورِ حد نہیں ہے۔

(۱) مولانا اصلاحی صاحب کا یہ نظریۂ رجم، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، کئی گمراہیوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک تو اُن تمام احادیث کو نظر انداز کردیا گیا ہے جو مشہور، متفق علیہ اور متواتر ہیں، کیونکہ وہ تقریباً تین درجن صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ یہ انکارِ حدیث کی اتنی واضح جسارت ہے، جس پر بڑی سے بڑی وکالت صفائی بھی پردہ نہیں ڈال سکتی۔

(۲) دوسرے اجماعِ صحابہ اور اجماعِ اُمت سے سخت بے اعتنائی ہے۔ حالانکہ اجماعِ صحابہ خود مولانا اصلاحی صاحب کی صراحت کے مطابق دین میں حجت اور سنت ہے جس سے انحراف کی اجازت ان

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مفصل مضمون کے آخر میں جو 'سنتِ خلفاے راشدین' کے عنوان سے فروری ۱۹۵۶ء کے 'ترجمان القرآن'، لاہور میں چھپا ہے، لکھتے ہیں:

''اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفاے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں، میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے خود خلفاے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے ......

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اِجماع ہمارے ہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہی ہوسکتی ہے جس کی مثالیں خلفاے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں......

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفاے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجیت کی حیثیت دی گئی ہے ......

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے ہوئی ہے لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفاے راشدین کے ہاتھوں ہوا ...... اس پہلو سے خلفاے راشدین کا دور گویا عہدِ رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لیے وہ پورا نظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہوچکے ہیں، وہ ہمارے لیے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لیے ان سے انحراف جائز نہیں ہے......'' (ماہنامہ 'ترجمان القرآن'، فروری ۱۹۵۶ء)

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مولانا اصلاحی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جس مسئلے میں ائمہ اربعہ بھی متفق ہوں، ان کا یہ اتفاق اجماعِ اُمت کے مترادف اور دین میں حجت ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں

''ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفاے راشدین اپنے دور کے اہل علم وتقویٰ کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام میں اِجماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے۔ اسی طرح ایک انطباق وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اگرچہ درجے میں پہلی قسم کے اِجماع کے برابر نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ اُمت من حیث الامہ ان ائمہ پر متفق ہوگئی ہے...... اس وجہ سے ان ائمہ کے کسی اجماع کو محض اس دلیل کی بنا پر ردّ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ معصوم نہیں تھے۔ یہ معصوم تو بے شک نہیں تھے لیکن ان کے معصوم نہ ہونے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ کسی امر پر ان کا اتفاق دین میں حجت نہ بن سکے۔'' (عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ: ص ۵۸، طبع فیصل آباد)

اور یہ ظاہر ہے کہ رجم کی وہ زیر بحث حد، جس کا انکار مولانا اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے، اجماعِ صحابہ کے علاوہ، ائمہ اربعہ سمیت تمام فقہاے امت کا اس پر اتفاق ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود اصلاحی صاحب کی مذکورہ تصریحات کے مطابق حدِ رجم کا انکار کتنی بڑی گمراہی ہے۔

(۳) تیسرے، مولانا اصلاحی کے نظریۂ رجم میں رجم کو جو ایک شرعی حد ہے یعنی اللہ رسول کی مقررہ حد، جس میں کسی بھی شخص کو کمی بیشی یا ترمیم وتبدیلی کا حق نہیں۔ شرعی حدود سے خارج کر کے تعزیری سزا بنا دیا گیا ہے جو صرف حاکم اور جج کی صوابدید پر منحصر ہے۔

(۴) چوتھے، رجم کی یہ تعزیری سزا بھی مولانا اصلاحی کے خیال کے مطابق صرف زانی کو نہیں دی جائے گی، چاہے وہ باکرہ ہو یا غیر باکرہ بلکہ پیشہ ور زانیوں اور غنڈوں کو دی جائے گی یا بالفاظِ دیگر یہ 'تعزیری رجم' زنا کی نہیں، غنڈہ گردی کی سزا ہے اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ اپنے اس زعم باطل کے اثبات کی خاطر انہوں نے حضرت ماعزؓ صحابی اور غامدی خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہما کو عادی زانی اور پیشہ ور طوائف باور کرایا ہے اور موصوف نے یہ 'استنباط' یا 'اجتہاد' آیتِ محاربہ سے کیا ہے جس میں رجم کی سزا کا کوئی ذکر ہے نہ مفسرین اُمت میں سے کسی نے یہ استنباط کیا ہے، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ مولانا اصلاحی کا ایک تحکمانہ فعل، ایک گونہ شریعت سازی اور اس سلفی تعبیر کے خلاف ہے جس کے پابند علماے سلف وخلف چلے آرہے ہیں اور جس کی پابندی کی تلقین وہ خود بھی کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب 'اسلامی قانون کی تدوین' میں 'کتاب وسنت کی تعبیر میں سلف صالحین کی پیروی' کے عنوان سے لکھتے ہیں

> ''تدوین قانون کے کام کے ہر مرحلے میں یہ حقیقت پیش نظر رکھی جائے کہ مسلمان کتاب وسنت کی جن تعبیروں پر اعتماد رکھتے ہیں، انہی تعبیروں پر مبنی ضابطہ قانون بنایا جائے۔ اگر اپنی طرف سے نئی تعبیریں محض شوقِ اجتہاد میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو ان کو لوگ ہرگز قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور اگر غلط طریقوں سے ان کو لوگوں پر لادنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج مضر بلکہ مہلک ہوں گے۔'' (آگے چل کر مزید لکھتے ہیں)
>
> ''سلامتی کا راستہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ کتاب وسنت کی تعبیرات میں سلف صالحین کی پیروی کی جائے۔'' (اسلامی قانون کی تدوین: ص ۱۳۵،۱۳۷)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مولانا اصلاحی کا نظریۂ رجم ایک بڑی لغزش اور ایسی عظیم گمراہی ہے جس میں کئی گمراہیاں جمع ہوگئی ہیں مثلاً

۱۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کی گئی ہے۔

۲۔ یہ انکارِ حدیث کو مستلزم ہے۔

۳۔ سلف صالحین کی تعبیر کے خلاف ہے۔

۴۔ شریعت سازی کا ارتکاب ہے۔

۵۔ اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے جس سے انحراف کی اجازت نہیں۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ اجماعِ ائمہ اربعہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہے جس کا منکر ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تبيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِع غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ﴾ (نساء:۱۱۵) کا مصداق ہے۔

مولانا اصلاحی کے نظریۂ رجم کی مدلل تردید

اسی لیے راقم نے ۱۹۸۱ء میں ایک کتاب لکھی تھی: ''حدِ رجم کی شرعی حیثیت اور شبہات ومغالطات کا جائزہ'' اس میں جہاں اور منکرین رجم کے دلائل ومغالطات کا جواب دیا تھا، وہاں مولانا اصلاحی کے نظریۂ رجم پر بھی تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ اس میں راقم نے مولانا اصلاحی کے نظریۂ رجم کے مذکورہ تباہ کن نقصانات کی وضاحت کے بعد یہ بھی تحریر کیا تھا:

> ''مولانا موصوف کا یہ نظریۂ رجم خود موصوف کی ساری عمر کی دینی جدوجہد اور علمی کاوشوں پر پانی پھیر دیتا ہے [جبکہ ماضی میں] موصوف نے اپنے ایک مخصوص نقطۂ نظر کے ساتھ نظریۂ انکارِ حدیث کا ردّ کیا ہے، قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح میں سلفی تعبیر سے انحراف کو گمراہی قرار دیا ہے، اجماعِ صحابہ، اجماعِ امت، بلکہ اجماعِ ائمہ اربعہ تک کو بھی دین میں حجت بتلایا ہے اور 'اجتہاد' میں شریعت سازی کے رجحان کی سختی سے تردید کی ہے۔ لیکن اپنے مخصوص نظریۂ رجم کے اثبات میں انہوں نے مذکورہ تمام باتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اب دو ہی باتیں ہیں:
>
> ۱۔ یا تو مولانا کا نظریۂ رجم غلط ہے اور یہ اُن کی فکری لغزش ہے جس سے انہیں فوری طور پر رجوع کر لینا چاہیے۔
>
> ۲۔ اور اگر انہیں اسکی صحت پر اصرار ہے تو اس کا مطلب اپنی عمر بھر کی مذکورہ کاوشوں کی نفی ہے۔
>
> ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مولانا اوّل الذکر بات تسلیم کر کے اپنے نظریۂ رجم سے رجوع فرمالیں، یہ ان شاء اللہ ان کے حق میں بھی بہتر ہے اور تمام اہل دین کے حق میں بھی۔ بصورتِ دیگر انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا نظریۂ رجم انکارِ حدیث کو بھی مستلزم نہیں، سلفی تعبیر کے بھی خلاف نہیں، اجماعِ صحابہ، اجماعِ امت اور اجماعِ ائمہ اربعہ کے بھی خلاف نہیں، اور یہ شریعت سازی بھی نہیں عَلَى عَلَىٰنه خرط القتادِ ۔'' (کتابِ مذکور: ص ۷، مطبوعہ ۱۹۸۱ء، لاہور)

راقم کی اس کتاب کو چھپے ہوئے بیس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں لیکن مولانا اصلاحی یا ان کے کسی شاگرد یا معتقد نے ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حالانکہ مولانا اصلاحی کو بھی اپنی ہمہ دانی کا بڑا زعم تھا اور ان کے بعض تلامذہ بھی اسی پندارِ علم کا شکار ہیں۔ لیکن الحمد للہ اتنے طویل عرصے کے باوجود ان کی طرف سے مذکورہ باتوں کے جواب میں مکمل خاموشی ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ مولانا اصلاحی اور ان کے ہم مکتب حضرات کے پاس سوائے ہٹ دھرمی کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلاحی نظریۂ رجم، شرعی عدالت کی گمراہی کا ذریعہ بنا

مولانا اصلاحی نے ایک منصوص حد، حدِرجم، کا جس طرح انکار کیا، اس نے منکرین حدیث کو بڑا عزم وحوصلہ بخشا ہے۔ اس سے ان کی جسارتوں میں خوب اضافہ ہوا ہے۔ پہلے وہ مسلماتِ اسلامیہ کا انکار کرنے میں بڑا تامل کرتے تھے یا انہیں حسین غلافوں میں لپیٹ کر پیش کرتے تھے لیکن مولانا اصلاحی کے موقف ومسلک کے بعد ان کے حجاب دور ہو گئے۔ چنانچہ آج سے کم وبیش ۲۰ سال قبل وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے بھی یہ فیصلہ دے دیا کہ رجم اسلامی حد نہیں ہے جس پر پورے ملک میں اضطراب کی شدید لہر اٹھی۔ اس وقت جسٹس آفتاب حسین شرعی عدالت کے چیئرمین تھے، بعد میں شرعی عدالت کے چیف کو بھی، چیف جسٹس کہا جانے لگا۔ آفتاب حسین پرویزی ذہن کے حامل تھے۔ مولانا اصلاحی کے نظریات کی شکل میں انہیں انکارِ حدیث کا ایک واضح راستہ مل گیا اور انہوں نے شوخ چشمانہ جسارت کی کہ چودہ سو سال سے متفق علیہ اسلامی حد، حدرجم کی بابت مذکورہ فیصلہ صادر فرمادیا۔ اس پر جب علماے کرام کی طرف سے شدید احتجاج ہوا تو جنرل ضیاء الحق مرحوم نے شرعی عدالت میں تین علماء کرام کا بطورِ جج تعین کیا اور اس کے بعد دوبارہ مذکورہ فیصلے پر عدالت نے اپنے پہلے فیصلے کے برعکس یہ فیصلہ دیا کہ رجم اسلامی حد ہے جو شادی شدہ زانی کے لیے اسلام میں مقرر ہے اور اس پر صحابہ کرام سمیت پوری اُمت کے علماء وفقہا کا اتفاق ہے۔

اس تفصیل سے اصل مقصد اس نکتے کی وضاحت ہے کہ مولانا اصلاحی کا نظریۂ رجم سخت گمراہ کن ہے۔ اس سے منکرین حدیث کو اسلامی مسلمات پر شب خون مارنے کا موقعہ ملا ہے جیسا کہ مذکورہ فیصلے میں ہوا۔ اس نظریے کے یہ تباہ کن خطرناک نتائج ہیں جو بالکل لازمی اور منطقی ہیں۔ اس سے کوئی شخص شترمرغ کی طرح آنکھیں بند کرلے، تو اس سے حقیقت تبدیل ہوسکتی ہے، نہ نتائج کو بدلا جا سکتا ہے۔

فکرِ فراہی کی بنیادی کجی

اور یہ ایسے ہی ہے، جیسے خود مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' کے مقدمے میں لکھا ہے:

''جس طرح خاندانوں کے شجرے ہوتے ہیں، اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہیں۔ بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی نیکی سمجھتے ہیں حالانکہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی نیکیوں کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی برائی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔'' (مقدمہ تدبر قرآن، طبع اوّل ستمبر ۱۹۶۷ء)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل اسی طرح فکری کجی اور گمراہی کا معاملہ ہے۔ جب انسان کے فکر ونظر کے زاویے میں کسی ایک مقام پر کجی آجائے، تو پھر اس کا دائرہ بڑھتا اور پھیلتا ہی چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض دفعہ اس کا رخ ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گاڑی کا کانٹا بدل جائے تو پھر وہ اس بدلے ہوئے کانٹے پر تیزی سے رواں دواں رہتی ہے تا آنکہ دوبارہ اس کا کانٹا بدل کر اسے سیدھے راستے پر گامزن نہ کر دیا جائے۔ فکر فراہی کی بنیاد میں ایک بہت بڑی کجی یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح کے لیے احادیث وآثار کو ثانوی اور عربوں کے جاہلی ادب کو اوّلین حیثیت اور اس طرح سلف کی تعبیر کے مقابلے میں اپنی عقل وفہم کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دبستانِ فکر سے وابستہ اہل قلم کا رشتہ احادیث اور اسلاف سے کم ہو گیا۔ احادیث کا ذخیرہ ان کی نظروں میں غیر مستند ٹھہرا اور جاہلی ادب اور شعری دواوین، جن کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے، وہ مستند ومعتبر قرار پائے۔ اپنی فہم ورائے کی اصابت پر انہیں یقین ہے اور اس کے مقابلے میں اجماعِ صحابہ واجماعِ امت تک بے حیثیت ہے (جس کی سب سے بڑی دلیل ان کا گمراہانہ نظریۂ رجم ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور 'تدبر قرآن' میں متعدد مقامات پر اس زیغ وضلال کی مزید مثالیں موجود ہیں جس میں واقعہ معراج کا انکار بھی ہے۔) اگر فکر فراہی میں یہ کجی نہ ہوتی تو کبھی اس گروہ کی طرف سے رجم کی متواتر احادیث کو ردّ کرنے کی اور اجماعِ صحابہ واجماعِ امت کو نظر انداز کرنے کی شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب نہ ہوتا۔ اس کجی نے ہی ان میں یہ استبدادِ رائے پیدا کیا اور انہیں یہ عزم وحوصلہ بخشا کہ ایک منصوص اور متفق علیہ حد کا نہ صرف نہایت بے دردی سے انکار کیا بلکہ حضرت ماعز اور غامدیہ عورت رضی اللہ عنہما کو نعوذ باللہ پیشہ ور غنڈہ اور طوائف قرار دیا۔ کیونکہ اس گستاخی کے بغیر رجم کی تعزیری حیثیت کا اِثبات ممکن نہیں تھا۔

بہرحال اس تفصیل سے مقصود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ احادیثِ رسول سے بے اعتنائی، بلکہ ان کا انکار فکرِ فراہی کی بنیاد میں شامل ہے۔ اسی لیے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل مولانا مودودی مرحوم کے 'مسلکِ اعتدال' کا ردّ کرتے ہوئے اپنے فاضلانہ مقالے 'جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث' میں مولانا اصلاحی، شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا مودودی اور عام فرزندانِ ندوہ کے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ

> ''یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں، لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکار کے لیے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔'' (حجیتِ حدیث: ص ۱۱۴)

پھر اس مقالے میں آگے چل کر اپنی اس رائے کا اظہار فرمایا تھا کہ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’ میری رائے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی صاحب کے نظریات نہ صرف مسلک اہلحدیث کے خلاف ہیں بلکہ ان کے یہ نظریات تمام ائمہ حدیث کے بھی خلاف ہیں۔ ان میں آج کے جدید اعتزال و تجہّم کے جراثیم مخفی ہیں۔‘‘

اس وقت بہت سے حضرات مولانا سلفی صاحب مرحوم کی اس رائے پر چونکے ہوں گے اور استعجاب کا اظہار کیا ہوگا لیکن آج اس کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوکر سامنے آ گئی ہے اور اس میں قطعاً کوئی ابہام یا شک نہیں رہ گیا ہے، جس کا ایک بڑا ثبوت مولانا اصلاحی کی تفسیر ’تدبر قرآن‘ ہے جو حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے زمانے میں منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس میں مولانا اصلاحی نے احادیث وآثار سے اکثر مقامات پر سخت بے اعتنائی برتی ہے، اور لغت اور جاہلی ادب پر یا اپنی فہم وفراست پر یا مزعومہ قرائن پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اس لیے یہ تفسیر، تفسیر بالرائ الفاسد کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مذمت احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ اسی فاسد رائے اور حدیث کے انکار کا ایک نمونہ حد رجم کا بطورِ حد شرعی انکار ہے اور بطورِ تعزیر پیشہ ور بدمعاشوں اور غنڈوں کے لیے اس کا اثبات ہے جو انہوں نے سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ کے لفظ قُتِّلُوْا سے کشید کی ہے۔ حالانکہ رجم ایک ایسی حد ہے کہ اگر اسے نص پر مبنی تسلیم نہ کیا جائے جیسا کہ اصلاحی صاحب تسلیم نہیں کرتے تو پھر اسے تعزیر کے طور پر اپنے قیاس واستنباط سے کسی بھی جرم کی سزا کے لیے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس میں ایذا دے دے کر مارنے کا انداز پایا جاتا ہے، حالانکہ شریعت نے جانوروں تک کو ایذا دے کر مارنے سے منع کیا ہے، اسی طرح مثلہ کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے۔ لیکن شریعت کے نزدیک ایک شادی شدہ شخص کا ارتکابِ زنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس نے بطورِ عبرت یہ سزا ایسے مجرموں کے لیے رکھی ہے۔ اب اگر کوئی شخص شریعت کی اس نص (عمل رسول اور حکم رسول) ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اور کہتا ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا بھی سو کوڑے ہی ہیں تو اسے یہ حق کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے کہ تعزیر کے طور پر اپنی طرف سے اور اپنے قیاس سے کسی اور جرم کی یہ سزا تجویز کرے، جب کہ اس میں ایذا دہی اور مثلے کا انداز پایا جاتا ہے جو شریعتِ اسلامیہ میں ممنوع ہے۔ اس سے تو زیادہ بہتر ’قیاس یا اجتہاد‘ یہ تھا کہ اصلاحی صاحب سرے سے رجم کا ہی انکار فرما دیتے۔ بطورِ حد زانی محصن تو کیا ہی تھا، بطورِ تعزیر بھی کردیتے۔ بطورِ تعزیر اس کا جواز تسلیم کرنے میں آخر کیا تک ہے؟ یہ حدیثِ رسول سے انکار کی وہ آفت ہے جو مولانا اصلاحی صاحب کی عقل وفہم پر پڑی ہے اور ایسا ’اجتہاد‘ یا ’استنباط‘ فرمایا ہے جس کی شرعی بنیاد تو پہلے ہی نہیں ہے، عقلی اور اخلاقی بنیاد سے بھی وہ محروم ہے۔ آہ! سچ ہے ؎ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا بڑا ثبوت، تدبر قرآن کے بعد، تدبرِ حدیث ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے ادارے کا نام 'ادارۂ تدبرِ قرآن وحدیث' رکھا ہے۔ اور قرآن پر تدبر کرنے، یعنی اپنی عقل وقیاس سے قرآنی حقائق کا حلیہ بگاڑنے کے بعد، اب حدیث کا روئے آبدار مسخ کرنے کی طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے چند محاضرات (لیکچروں) کا اہتمام فرمایا۔ انہی محاضرات کے مجموعے کا نام 'مبادیٔ تدبر حدیث' نامی کتاب ہے جس میں حدیث کے پرکھنے کے تمام محدثانہ اُصولوں کو ناکافی اور بے وقعت قرار دیتے ہوئے نئے اُصول وضع کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے تاکہ محدثین کی بے مثال کاوشوں پر پانی پھیر دیا جائے اور لوگوں کو ایسے ہتھیار فراہم کردیے جائیں جنہیں استعمال کرکے وہ جس حدیث صحیح کو چاہیں ردّ کردیں اور جس ضعیف اور باطل حدیث کو چاہیں، صحیح قرار دے لیں۔

دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ حدیث کے پرکھنے کے لیے محدثانہ اُصول وقواعد میں جو خامیاں اور کوتاہیاں رہ گئی تھیں، اس کتاب میں اِن کا اِزالہ کیا گیا ہے اور ایسے نئے قواعد واصول وضع کیے گئے ہیں کہ ان کی روشنی میں تمام احادیث کو نئے سرے سے پرکھا جاسکے۔ کتنا بڑا دعویٰ ہے؟ لیکن اسی بلند بانگ دعوے میں حدیث کا اِنکار مضمر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری جیسے امام فن نے بھی اگر کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دیا ہے تو محدثین کے اُصول وقواعد میں ایسی خامیاں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے امام بخاری کے فیصلے کے برعکس صحیح حدیث، ضعیف اور ضعیف حدیث، صحیح ہوسکتی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اصلاحی صاحب کے گھڑے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں تمام ذخیرۂ احادیث کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔ یہ انکارِ حدیث کا راستہ چوپٹ کھولنے کے مترادف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور کیا یہ محدثین کی تمام کاوشوں پر خطِ نسخ پھیرنا نہیں ہے؟

برعکس نہند نام زنگی کافور، دنیا کی عام روش ہے۔ لیکن فساد کا نام اِصلاح یا شراب کا نام روح افزا رکھ لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی ہے۔ یہ غرورِ نفس یا دل کا بہلاوا اور تسویل شیطان ہے۔ بہرحال مولانا اصلاحی صاحب کی کتاب 'مبادیٔ تدبر حدیث' ایک نہایت خطرناک کتاب ہے جس میں محدثین کی کاوشوں کی نفی یا ان کا استخفاف کرکے انکارِ حدیث کا راستہ چوپٹ کھول دیا گیا ہے جس کے بعد قرآن کو ماننے کا دعویٰ بھی بے حیثیت قرار پاتا ہے۔ اور یہ کوئی مفروضہ، واہمہ اور تخیل کی کرشمہ آرائی نہیں، بلکہ وہ حقیقت ہے جسے خود مولانا اصلاحی تسلیم بلکہ اس کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مقدمہ تفسیر تدبر قرآن میں منکرین حدیث کے رویے کے ضمن میں لکھتے ہیں

> ''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور اُمت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے، اس میں اپنی

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے''

مولانا اصلاحی صاحب جن کو منکرین حدیث قرار دے رہے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنا مسلک 'انکارِ حدیث بتلاتے ہوں بلکہ وہ بھی حدیث کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ غلام احمد پرویز، اسلم جیراج پوری، تمنا عمادی اور دیگر مشہور منکرین حدیث کی تحریریں پڑھ لیجیے، سب حدیث کے ماننے کے دعوے دار ہیں، کوئی بھی حدیث کی حجیت سے انکار نہیں کرتا ہے۔ پھر انہیں منکرین حدیث کیوں کہا جاتا ہے؟ صرف اس لیے کہ زبان سے حدیثِ رسول ماننے کے باوجود حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اور محدثین کی سعی وجہد کو بے حیثیت قرار دینا، ان کا مشغلہ ہے، جس نے عملاً انہیں حدیث کا ہی منکر نہیں بنایا بلکہ بقول اصلاحی صاحب کے، ان کا قرآن پر ایمان کا دعویٰ بھی محل نظر ہی قرار پاتا ہے۔

بالکل یہی معاملہ مولانا اصلاحی اور ان کے تلامذہ کا ہے۔ وہ بھی گو انکار کے علم بردار نہیں ہیں لیکن وہ جس طرح حدیث کا استخفاف، حتیٰ کہ رجم کی متواتر اور متفق علیہ روایات کا انکار کر رہے ہیں اور محدثین کے اصول وقواعد کو ناکافی قرار دے رہے ہیں، اس نے دبستانِ فراہی سے وابستہ افراد کو بھی منکرین حدیث ہی کی صف میں لاکھڑا کیا ہے، کیونکہ حدیث کے بارے میں ان کی مذموم مساعی سے بھی حدیث ہی کا انکار لازم نہیں آرہا، بلکہ قرآنی مسلمات سے بھی انحراف کا راستہ کھل رہا ہے۔

چنانچہ مولانا اصلاحی صاحب کے تلمذ کے دعوے داروں میں سے سب سے زیادہ نمایاں اور قریب جاوید احمد غامدی کو دیکھ لیجیے، جو مولانا اصلاحی کو 'امام' لکھتے ہیں۔ یوں اس گروہ کے اِمامِ اوّل مولانا حمید الدین فراہی، امامِ ثانی مولانا امین احسن اصلاحی قرار پاتے ہیں اور بمصداق ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، امامِ ثالث یہی غامدی صاحب ہیں۔ یہ کوئی استہزاء نہیں ہے۔ اگر اوّل الذکر دونوں بزرگ امام ہیں تو تیسرے امام یقیناً غامدی صاحب ہی ہیں۔

بہر حال مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ اِمام اول نے حدیث کے استخفاف اور اس سے بے اعتنائی کی جو بنیاد رکھی تھی، دوسرے امام (مولانا اصلاحی) کے رویے نے اسے انکار حدیث تک پہنچا دیا اور انہوں نے رجم کی احادیث اور دیگر صحیح احادیث کو ردّ کر دیا اور 'مبادی تدبر حدیث' کے ذریعے سے تمام ذخیرۂ احادیث کو مشکوک قرار دے دیا ہے اور اب تیسرے امام نے قرآنی مسلمات کا بھی انکار شروع کر دیا ہے۔ اور انکارِ حدیث کا یہ وہ منطقی اور لازمی نتیجہ ہے جسے اصلاحی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ بالآخر یہ گروہ بھی اپنے اس منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسر تمام کند

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے بارے میں ہماری یہ بات لوگوں کے لیے شاید 'انکشاف' کا درجہ رکھتی ہو اور ممکن ہے بہت سے لوگ یہ ماننے کے لیے تیار نہ ہوں، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ اور حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں :

جون ۱۹۸۹ء میں وفاقی شرعی عدالت پاکستان (لاہور) میں تقریباً دو ہفتے مسئلہ شہادتِ نسواں پر بحث ہوئی۔ فاضل عدالت کی درخواست پر جناب غامدی نے بھی اپنا موقف پیش کیا جس میں انہوں نے مسئلہ مذکور میں ہی مغرب زدگان کی ہم نوائی نہیں کی بلکہ اور بھی کئی قرآنی مسلمات کا انکار کیا، بلکہ قرآن کریم کی معنوی تحریف کا بھی ارتکاب کیا۔ راقم بھی اس بحث میں چونکہ مکمل طور پر شریک رہا تھا، اس لیے غامدی صاحب کا پورا بیان سننے کا موقع ملا۔ اس موضوع پر راقم اپنا مفصل مقالہ فاضل عدالت کے روبرو پہلے پیش کر چکا تھا، تاہم غامدی صاحب کے بیان کے بعد راقم نے فاضل عدالت کو خطاب کر کے کہا کہ غامدی صاحب نے تمام اسلامی مسلمات کا انکار کیا ہے، اس لیے ہمیں اس بیان پر بحث کرنے اور اس کا جواب دینے کا موقعہ دیا جائے۔ لیکن اس وقت کے چیف جسٹس جناب گل محمد مرحوم نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ یہ مجلس مناظرہ نہیں ہے، آپ دونوں ایک ایک رسالے کے ایڈیٹر ہیں، اپنے اپنے رسالوں میں یہ شوق پورا فرمالیں۔ بہرحال پھر راقم نے دوسرے ججوں سے ملاقات کر کے غامدی صاحب کے بیان کا تحریری جواب عدالت میں دے دیا۔

نومبر ۱۹۹۰ء کے 'اشراق' میں غامدی صاحب نے اپنے اس بیان کا خلاصہ شائع کر دیا ہے جو انہوں نے فاضل عدالت کے روبرو پیش کیا تھا۔ اس خلاصے میں اگرچہ وہ طمطراق، ہمہ دانی کا وہ پندار اور زبان وبیان کے وہ تیور نہیں جو عدالت کے سامنے زبانی بیان میں تھے تاہم بنیادی موقف تقریباً وہی ہے جو وہاں پیش کیا گیا تھا، اپنے اس بیان میں غامدی صاحب نے جن مسلمات کا انکار کیا، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے

(۱) ﴿وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ میں الفاحشة سے کیا مراد ہے؟ صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک تمام مفسرین، محدثین، علماء وفقہا نے کہا ہے کہ اس سے بے حیائی کی وہ قبیح ترین صورت مراد ہے جسے زنا کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی وضاحت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اس صحیح حدیث میں آگئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ میں جس 'سبیل' کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، وہ سبیل واضح کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا اور غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے لگانا۔

اس حدیث نے یہاں 'فاحشہ' کے مفہوم کو متعین اور اس جرم کے اثبات کے لیے چار مسلمان مرد

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گواہوں کو ضروری قرار دیا ہے کیونکہ نصابِ شہادت تو یہاں قرآن نے ہی بیان کر دیا ہے جس کا اِعادہ سورۂ نور کی آیت۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ، الآية﴾ میں بھی کیا گیا ہے۔ اور زنا کی حد بالخصوص شادی شدہ زانی مرد وعورت کی حد، حدیث رسول ﷺ میں 'سبیل' کی وضاحت کرتے ہوئے فرما دی گئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث عبادہؓ کی وجہ سے تمام مفسرین اُمت اور تمام علماء وفقہاء مذکورہ حد زنا اور نصاب شہادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا اصلاحی جنھوں نے خوارج کے بعد، اُمت میں سب سے پہلے حد رجم کا انکار کیا، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آیاتِ مذکورہ میں بیان کردہ تعزیرات اگرچہ سورۂ نور میں نازل شدہ حدود کے بعد منسوخ ہو گئیں لیکن بدکاری کے معاملے میں شہادت کا یہی ضابطہ بعد میں بھی باقی رہا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر 'تدبر قرآن': ج ۲،ص ۳۷)

لیکن غامدی صاحب نے اپنے عدالتی بیان میں کہا کہ الفاحشة سے مراد زنا نہیں ہے، نہ اس میں زنا کی سزا ہی بیان کی گئی ہے، بلکہ اس میں استمرار کا مفہوم پایا جاتا ہے (اپنے خلاصے میں غامدی صاحب نے استمرار والی بات حذف کر دی ہے جب کہ عدالت میں یہ بات انہوں نے بڑے اعتماد بلکہ ادعا کے ساتھ پیش کی تھی) جس کی وجہ سے آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ جو پیشہ ور طوائفیں ہیں، ان کی سزا اس میں بیان کی گئی ہے، عام بدکار عورتوں کی یہ سزا نہیں ہے۔

(۲) پھر اسی پر بس نہیں کی گئی، یہ دعویٰ بھی انہوں نے کیا کہ قرآن وحدیث میں کہیں سرے سے ثبوتِ زنا کیلئے چار گواہوں کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس لئے اثباتِ زنا کے لئے چار گواہوں کا نصاب ہی نہیں زنا تو ایک گواہ بلکہ ایک بچے کی شہادت، بلکہ بغیر کسی شہادت کے قرائن کی بنیاد پر بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

اور قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الآية﴾ جس میں چار مرد گواہوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کی بابت ارشاد فرمایا (جو تحریف معنوی ہے) کہ اس میں ان لوگوں کی سزا بیان کی گئی ہے جو بیٹھے بٹھائے یوں ہی بغیر کسی واقعے کے صدور کے، کسی پر بدکاری کی تہمت لگا دیں۔ اس کا تعلق زنا کے اس الزام سے نہیں ہے جس کا فی الواقع ارتکاب کیا جا چکا ہو، کیونکہ اس کے ثبوت کے لیے تو کسی متعین نصاب شہادت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۳) عدالت میں موصوف نے حد اور تعزیر کے مابین فرق کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تاہم شائع کردہ خلاصے میں اس نکتے کو پتہ نہیں، کیوں حذف کر دیا ہے۔

جناب غامدی صاحب کی یہ تمام باتیں قرآن وحدیث کی واضح نصوص کے خلاف ہیں اور جیسا کہ خود موصوف نے عدالت میں تسلیم کیا کہ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''امت میں پہلا فرد ہوں جس کی یہ رائے ہے، حتیٰ کہ اس رائے میں اپنے استاذ مولانا امین احسن اصلاحی سے بھی مختلف ہوں'' (غامدی صاحب نے اپنے شائع کردہ خلاصے میں اس اِدعا کو بھی حذف کردیا ہے۔)

غامدی صاحب نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کے دلائل پر تو راقم بحث کرچکا ہے جو ماہنامہ 'محدث' لاہور میں ۱۹۹۱ء کے اوائل میں شائع ہوچکی ہے، یہاں اس تفصیل سے اس پہلو کی وضاحت مقصود ہے کہ فقہاے امت کے متفقہ مسلک سے انحراف نے، جو دراصل حجیتِ حدیث کے اِنکار پر مبنی ہے موصوف کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے اور کتنے فخر سے وہ پوری امت میں اپنے منفرد ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس زیغ وضلال اور من شذّ شذّ ...... کا مصداق بننے سے بچائے۔

(۴) اسی طرح آیتِ مداینہ کی بابت جس میں قرض کے سلسلے میں دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم ہے، ارشاد فرمایا:

''یہ محض ایک اخلاقی تعلیم ہے، کوئی اصول، ضابطہ اور متعین نصابِ شہادت نہیں ہے۔''

(۵) غامدی صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ شہادت میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ تمام فقہاے امت اس بات پر متفق ہیں کہ زنا کے ثبوت کیلئے چار مسلمان گواہ ضروری ہیں، اور یہ قرآن کی نص ﴿أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ (النساء:۱۵) سے ثابت ہے، اس لیے اس پر بھی اجماع ہے۔

مزید مسلمات کا انکار

غامدی صاحب نے اُمت کے اجماعی اور متفق علیہ مسائل ہی کا انکار نہیں کیا، بلکہ نصوصِ قرآنی تک سے انحراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے۔ اور غامدی صاحب کے ساتھ اب ان کے تلامذہ بھی مسلماتِ اسلامیہ کے انکار پر اتر آئے ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ 'اشراق' لاہور میں حضرت عیسیٰ کے قیامت کے قریب نزولِ آسمانی سے، ظہورِ امام مہدی وخروجِ دجال سے اور یاجوج وماجوج کے وجود سے بھی انکار کردیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے اس امر میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ لغت یا اپنی فہم نارسا اور عقل کج اَدا کے ذریعے سے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے کا اور حدیثِ رسول اور اَسلاف کی تعبیر سے اِنحراف کا جو راستہ مولانا اِصلاحی نے اپنایا اور اپنے تلامذہ اور حلقہ ارادت کو بتلایا، یہ وہی راستہ ہے جو کم وبیش کچھ فرق کے ساتھ سرسید احمد خاں، غلام احمد پرویز اور عبد اللہ چکڑالوی وغیرہم نے اختیار کیا جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ قرآنی مسلمات کا انکار اور تواتر واِجماعِ اُمت سے ثابت شدہ مسائل سے اِعراض وانحراف ہے۔ بہت سے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمات اور اِجماعی مسائل کا اِنکار مذکورہ حضرات نے کیا (جیسا کہ ان کی کتابوں اور تحریروں سے واضح ہے) اور اب اسی روش پر چلتے ہوئے کچھ مسلمات اور تواتر اُمت کا انکار مولانا اصلاحی اور ان کے تلامذہ کے ذریعے سے ہو رہا ہے جس پر ان کی تحریریں شاہد ہیں۔ یہ کوئی افترا یا الزام نہیں ہے ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾

اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ کوئی صاحبِ علم و تحقیق ائمہ سلف کے افکار و تعبیرات کی روشنی میں مولانا اصلاحی کی تفسیر 'تدبر قرآن' کا جائزہ لے (جیسا کہ راقم نے ان کے نظریۂ رجم پر اپنی کتاب میں مدلل بحث کی ہے) اور اس کے تفردات وشذوذ بلکہ اس کی کج فکریوں اور انحرافات کو طشت از بام کرے تاکہ ان 'اہل قرآن' کی قرآن فہمی اور ان اہل تدبر کے 'تدبر' کی حقیقت واضح ہو سکے۔ اسی طرح مولانا اصلاحی کے محاضرات کا بھی جو 'مبادئ تدبر حدیث' کے نام سے شائع ہوئے ہیں، جائزہ لے کر ان کے حسن وقبح کو واضح اور ان میں انکارِ حدیث کے مخفی جراثیم کو آشکارا کرے۔

مولانا اصلاحی، ان کے تلامذہ اور فکر فراہی کے اس تاریک اور نہایت خطرناک پہلو سے، اہل علم کا ایک حلقہ تو آگاہ ہے، لیکن بہت بڑی اکثریت اس سے بے خبر ہے، اس لیے ان کی آگاہی کے لیے یہ مضمون تحریر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیغ وضلال سے محفوظ رکھے اور صحیح راستے کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

ڈاکٹر محمد امین ○

قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار

[فکرِ اصلاحی کا ایک تجزیہ]

محدث کے شمارہ اپریل ۲۰۰۱ء میں مولانا عبد الغفار حسن کا مضمون 'فہم قرآن کے بنیادی اُصول' شائع ہوا ہے جو نہایت وقیع، مفید اور علمی مباحث پر مشتمل ہے لیکن قرآن فہمی میں حدیث وسنت کے کردار کے حوالے سے جو کچھ مولانا نے لکھا ہے، اس کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا محترم نے غالباً بے خیالی میں اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کی زَد کہاں پڑتی ہے، اپنے دیرینہ رفیق کار مولانا امین احسن اصلاحی کی وہ رائے اپنا لی ہے جس کے بارے میں ہمارے عہد کے جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ غلط ہے جبکہ بعض کے نزدیک وہ گمراہ کن، انکارِ سنت کے مترادف اور مقامِ نبوت کے استخفاف اور حدیث وسنت کی ہوا خیزی پر منتج ہوتی ہے۔ مولانا عبد الغفار حسن جیسا محدث جس کی زندگی ہی خدمتِ حدیث اور اندرون وبیرونِ ملک حدیث پڑھتے پڑھاتے گزری ہو، حدیث وسنت کے بارے میں ایسا مخدوش نقطہ نظر کیسے اپنا سکتا ہے؟ بہرحال اس بارے میں ہم مولانا اصلاحی کے نقطہ نظر کو چونکہ غلط سمجھتے ہیں لہٰذا اس کے بارے میں عرض کرتے ہیں تاکہ قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا مقام واضح ہو کر سامنے آسکے اور جس کسی کو کوئی غلط فہمی لاحق ہو وہ دور ہو جائے۔ وباللہ نستعین!

حدیث وسنت اور قرآن فہمی میں اس کے کردار کے حوالے سے مولانا اصلاحی کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حدیث وسنت میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سنّت حضور ﷺ کی عملی زندگی کی وہ تفصیل ہے جو قرآن کی طرح تواترِ عملی سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا قطعی الثبوت ہے۔ وہ قرآن کی طرح اہم، اس کے قالب کیلئے مثل روح اور اسی کی طرح حجت ہے۔☆ اس کا انکار قرآن کا انکار ہے اور وہ حدیث پر مُہیمن ہے۔

○ سینئر ایڈیٹر اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆ نام نہاد اصلاحی حلقہ 'انکارِ سنت' کے الزام سے بچنے کے لئے سنت کو حجت تو مانتا ہے، لیکن سنت کو قرآن کی طرح 'وحی' کہنے سے گریزاں ہے حالانکہ وحی اور حجت ہونے میں فرق ہے، مثلاً انسان پر والدین کی اطاعت حجت ہے، اسلامی عدالت کا فیصلہ بھی حجت ہے لیکن یہ وحی نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاحی صاحب سنت کی تعریف میں نبی ﷺ کے بعد آنے والے صحابہ اور امت مسلمہ کو شامل کرتے ہیں حالانکہ صحابہ رامت مسلمہ کا عمل (ان کے بقولِ تواتر عملی) بالاتفاق وحی نہیں ہے۔ وحی تو آپ ﷺ کے وصال پر ہی منقطع ہو گئی تھی۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث ان کے نزدیک سنت کا تحریری ریکارڈ ہے جو تواتر سے ثابت نہ ہونے کی بنا پر 'خبر واحد' کا درجہ رکھتی ہے۔ظني الثبوت، مجموعہ رطب و یابس اور صحت کے لحاظ سے ناقابل اعتماد ہے لہٰذا فہم قرآن کے حوالے سے بنیادی اور کلی طور پر اس پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز ہے نہ اس کے عموم کی ایسی تخصیص کی جاسکتی ہے جو قرآن اور لغت کے معروف مفاہیم کے خلاف ہو۔

قرآن کے فہم کا بنیادی انحصار، اس کی زبان، اس کے داخلی نظم اور تفسیر القرآن بالقرآن پر ہے۔ اخبارِ آحاد سے اگر اس فہم کی نفی☆ ہوتی ہو اور کسی صورت ان میں تطبیق نہ دی جاسکے تو اخبارِ آحاد کو ردّ کر دیا جائے گا۔[1]

حدیث وسنت اور قرآن فہمی میں اس کے کردار کے حوالے سے مولانا اصلاحی کا یہ موقف اتنے مغالطوں پر مبنی ہے اور اتنے مسائل کو جنم دیتا ہے کہ ان کی تنقیح کے لیے ایک پوری کتاب درکار ہے۔ایک مقالہ کی محدود طوالت کے پیش نظر ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے بعض بنیادی باتوں پر مختصراً اپنی گزارشات پیش کریں گے۔

حدیث وسنت میں فرق

ا۔ جمہور (محدثین) اہل علم حدیث وسنت میں اس طرح فرق نہیں کرتے جس طرح مولانا اصلاحی نے کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یعنی آپؐ کی عملی زندگی اور اُمت کے لیے عملی رہنمائی صرف آپؐ کے 'اَفعال' پر مبنی نہ تھی بلکہ آپؐ کی گفتگو اور اَقوال بھی اس کا اہم حصہ تھے۔اسی طرح کتب ِاحادیث میں حضور ﷺ کے محض اَقوال ہی محفوظ نہیں کیے گئے بلکہ آپؐ کی سنت (عملی زندگی) بھی محفوظ کی گئی ہے یہاں تک کہ بہت سے مؤلفین نے اپنے مرتب کردہ احادیث کے مجموعوں کے نام ہی 'سنن' پر رکھے اور وہ 'سنن' کے نام ہی سے اہل علم میں معروف ہیں جیسے سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ O ۔اس طرح اہل علم یہ جاننے کے باوجود کہ کتبِ احادیث میں مذکور حضور ﷺ کے اقوال واعمال حضورؐ کی سنت کا ریکارڈ ہیں، بعض اوقات انہیں صرف حدیث یا صرف سنت کہہ دیتے ہیں۔اسی طرح وہ

☆ مولانا اصلاحی حدیثِ رسول کی رو سے ہر اضافے (خواہ وہ شروط وقیود ہی کی قسم سے ہو) کو اصل قرآنی مفہوم کے منافی قرار دیتے ہیں اور کسی طرح تطبیق دینے کو آمادہ نہیں جیسے قرآنی حکم ۱۰۰ کوڑے کی سزا وہ صرف کنوارے زانی کے لئے مخصوص کرنا حدیث کی رو سے صحیح نہیں سمجھتے۔ (محدث)

O 'سنن' نام کی کتابوں میں نبیؐ کی حدیث وسنت جمع کی گئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین حدیث وسنت میں کسی فرق کے قائل نہ تھے، ورنہ وہ احادیث کے مجموعوں کے نام 'سنن' کبھی نہ رکھتے۔انکی نظر میں حدیث اور سنت دونوں ہی نبیؐ کے اقوال، افعال اور تقریرات پر بولے جاتے ہیں۔جو معیاری روایات کی صورت میں صرف کتب حدیث میں ہی محفوظ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت کو مترادف کے طور پر استعمال کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ...... گو لغوی یا بعض فنون کے اعتبار سے اس میں کچھ تجاوز ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ ہر زبان میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی اہم مظہر یا جزو کو تغلیباً کل سے موسوم کر دیا جاتا ہے (دیکھئے مثلاً حدیث میں أنف[۲] قرآن میں وجہ[۳] اور لغت میں نفس[۴] کا استعمال جہاں انف مظہر عزت وحرمت، وجیہ بمعنی خوبصورت ومعزز اور نفس بمعنی انسان کے استعمال ہوتا ہے حالانکہ نفس کے لغوی معنی سانس کے [بھی] ہیں لیکن سانس چونکہ سبب ومظہر زندگی ہے لہٰذا اسے حیاۃ اور ذوحیاۃ کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے)۔

لیکن مولانا اصلاحی نے حدیث وسنت میں فرق کرتے ہوئے یہ 'جدت' پیدا کی ہے کہ سنت کو 'تواتر عملی' سے ثابت شدہ کہہ کر انہوں نے سر پر بٹھا لیا اور احادیث کے سارے ذخیرے کو خبر واحد، ظنی الثبوت اور مجموعۂ رطب ویابس کہہ کر پیچھے پھینک دیا۔

زمینی حقائق یہ ہیں کہ سنت محض 'تواتر عملی' سے ثابت ہی نہیں ہوتی (آئندہ صفحات میں ہم اس پر تفصیل سے کلام کریں گے) لہٰذا جس چیز کو مولانا 'سنت' کہہ رہے ہیں وہ محض ایک نظری بات ہے اور نظری لحاظ سے تو سنت کی حجیت پر ساری اُمت متفق ہے کہ اس پر تو مدارِ ایمان ہے کہ خود قرآن کی رو سے حضورؐ کی اطاعت واجب ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے بعد آپؐ کی وہ سنت کہاں ہے جس کی اطاعت کی جائے؟

اس بارے میں جمہور☆ اُمت کا موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاننے کا ذریعہ وہ صحیح احادیث ہیں جو ثقہ راویوں سے مروی ہیں، اسی لیے وہ انہیں تقدس کا درجہ دیتی ہے جب کہ منکرین حدیث اور اصلاحی صاحب ایسا نہیں سمجھتے۔ مولانا اصلاحی حدیث کو خبر واحد، ظنی الثبوت اور مجموعہ رطب ویابس کہہ کر اسے اہمیت نہیں دیتے اور جس سنت کو وہ سر کا تاج اور مثل قرآن کہتے ہیں وہ عملاً کہیں موجود ہی نہیں۔ (راقم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ 'حدیث وسنت' کو ملا کر ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کرتا ہے [جیسے اسی مضمون کا عنوان ہے ''قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار''] تاکہ اس میں دونوں الفاظ بیک وقت جمع ہو جائیں اور ابہام کا امکان ختم ہو جائے)۔

مولانا اصلاحی کی اس 'فطانت' کا فائدہ یہ ہے کہ جب ان کے تلامذہ عام مسلمانوں سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ''ہم تو قرآن کے ساتھ سنت کو بھی حجت مانتے ہیں، ہم کوئی منکرین سنت تھوڑی ہیں'' حالانکہ سنت سے ان کی مراد وہ نہیں ہوتی جو جمہور مسلمانوں کی ہوتی ہے (کیونکہ جمہور مسلمان تو سنت سے

☆ جمہور علماء، جمہور امت اور جمہور اہل علم کے بارے میں مضمون کے آخری حصے (صفحہ) میں وضاحت موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد حدیث ہی لیتے ہیں) اس طرح یہ لوگ عام مسلمانوں کو ایک غلط تاثر دیتے ہیں اور اسی لیے ان کے مخالفین کو ان پر یہ پھبتی کسنے کا موقع مل جاتا ہے کہ ﴿ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴾

سنت کا اثبات، تواترِ عملی سے

مندرجہ بالا بحث سے قارئین اب اس بات کو سمجھ گئے ہوں گے کہ بات نظری معنوں میں سنت کی نہیں ہے کیونکہ ان معنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حجت اور سند ہونے کے بارے میں تو کوئی مسلمان برعکس رائے رکھ ہی نہیں سکتا، اس کا انکار تو بعض منکرین سنت بھی نہیں کرتے ۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب سنت کے جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟ اصلاحی صاحب کے نزدیک اس کا جواب ہے 'تواتر عملی' ...... وہ لکھتے ہیں

> ''جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے، اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے، ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے سیکھا ۔ اس طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے'' [۵]

مولانا کا یہ موقف انتہائی کمزور ہے اس لیے کہ

۱۔ قرآن کے الفاظ بین الدفتین متعین ہیں ، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ضمانت دی ہے ۔ اس کا تحریری ریکارڈ پہلے دن سے لے کر آج تک محفوظ ہے ۔ زبانی یاد کرنے کی وجہ سے بھی وہ ایک نسل سے دوسری نسل کو بلا انقطاع منتقل ہو رہا ہے لیکن ان ساری چیزوں کا اطلاق سنت پر نہیں ہوسکتا ۔ اس کے الفاظ بین الدفتین متعین نہیں ، انہیں زبانی یاد کرنے کے رواج میں تسلسل موجود نہیں ۔ اور نہ پہلے دن سے ان کا مکمل تحریری ریکارڈ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے تیار کیا ۔ لہٰذا یہ کہنے کی کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں کہ احادیث کے موجودہ ریکارڈ سے باہر سنت 'تواتر عملی' سے اُمت میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے ۔

۲۔ امامِ دارِ ہجرت مالک بن انسؒ کی تاریخ پیدائش ۹۳ھ کی ہے یعنی صرف ایک صدی بعد انہوں نے 'تواتر عملی' کی بنا پر صرف 'عمل اہل مدینہ' کو اخبارِ آحاد پر ترجیح دینے کا موقف اپنایا لیکن جمہور اُمت نے اِسے بھی مسترد کر دیا اور اس پر تند و تیز تنقیدیں کیں ۔ چنانچہ مالکیہ کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں اور اس کے بعد سے اُمت میں متداول کسی معروف فقہی اور علمی مسلک اور کسی معتد بہ بڑے عالم

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس موقف کی حمایت نہیں کی☆۔ یہ 'سعادت' صرف مولانا اصلاحی کے حصے میں آئی کہ انہوں نے ایک صدی نہیں، سارے زمانے کے مسلمانوں اور صرف مدینہ نہیں، سارے امصار کے مسلمانوں کے عمل کو اَخبارِ آحاد پر ترجیح دینے کا 'جرأت مندانہ' موقف اپنایا اور یہی نہیں بلکہ اس طرح ثابت ہونے والی سنت کو قرآن کی طرح حجت اور قرآن کی طرح مستند و قطعی الثبوت قرار دیا اور اس کے انکار کو قرآن کا انکار قرار دیا۔

۳۔ اب سنت چونکہ قرآن کی طرح بین الدفتین متعین الفاظ کا مجموعہ نہیں لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس 'تواترِ عملی' سے جو سنت ثابت ہوتی ہے وہ ہے کیا؟ ظاہر ہے اس کا جواب انہی کے ذمے ہے جنہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کیونکہ خود مولانا اصلاحی تسلیم کرتے ہیں کہ

> ''سنت قرآن کی تفصیل ہے اور وہ اتنی زیادہ تفصیل ہے کہ قرآن کی طرح کوئی ایک کتاب اتنی تفصیل دینے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔''(۶)

مولانا کا جو اقتباس ہم نے اوپر نقل کیا ہے، اس میں مولانا نے نماز اور حج کی مثال پیش کی ہے کہ وہ تواترِ عملی سے ثابت ہوتے ہیں ۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ نماز اور حج کے بارے میں بنیادی احکام تو قرآن مجید میں بھی موجود ہیں، ہمیں نشاندہی کی جائے کہ وہ کون سے تفصیلی (فروعی) احکام ہیں جو تواترِ عملی سے ثابت ہوتے ہیں؟ اور یہ بھی بتایا جائے کہ پچھلی صدیوں میں مسلمانوں نے نماز اور حج کے بارے میں جو بدعتیں ایجاد کرلی ہیں اور جو نسل در نسل منتقل ہورہی ہیں کیا وہ بھی سنتِ ثابتہ ہیں؟ (کہ آپ کی تعریف کی رو سے تو وہ سنت ثابتہ ہی ہونی چاہئیں!) اور اگر وہ سنت ثابتہ نہیں ہیں تو کیوں نہیں ہیں؟ اور اس امر کی وضاحت بھی کی جائے کہ سنت ثابتہ اور بدعت میں فرق کیسے کیا جائے گا؟۔

۴۔ مولانا چونکہ ذہین آدمی تھے اس لیے انہوں نے خود ہی محسوس کرلیا کہ 'تواترِ عملی' کی جو تعریف انہوں نے کی ہے، اس میں وہ پھنس جائیں گے لہٰذا انہوں نے اگلے پیراگراف میں اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کی اور کہا

☆ دراصل فقہ میں عمل اہل مدینہ کی حجیت کا اُصول بعض مالکیہ نے اپنایا جو اَب امام مالکؒ کے حوالے سے شہرت پاگیا ہے۔ حالانکہ امام مالک نے اسے مدینہ منورہ کے بعض اُن پیمانوں وغیرہ کے سلسلہ میں اہمیت دی ہے جو نبی کریم کے زمانہ سے مروّج چلے آرہے تھے جیسے کوفی صاع کے مقابلہ میں مدنی صاع (۲سیر، ۱۰چھٹانک، ۳تولے، ۴ماشہ وزن کا ایک پیمانہ)، اس طرح کی اشیا کی پہچان یقیناً رواج سے ہوسکتی ہے۔ بلکہ آج بھی بعض حضرات نے صاع کا مدنی پیمانہ بطورِ نمونہ سنبھال رکھا ہے۔ ورنہ امام مالکؒ کے بیشتر اجتہادات ایسے ہیں جو عمل اہل مدینہ کے مخالف ہیں جن کی کافی مثالیں حافظ ابن قیمؒ نے إعلام الموقعین (جلد۲/صفحہ۴۱۰ تا ۴۲۲) میں جمع کردی ہیں۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یہاں اس امر کو بھی ذہن نشین رکھیے کہ امت کے عملی تواتر سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاے راشدین اور صحابہ کا عمل ہے جیسا کہ ارشاد ہے "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين" [کہ] دین کا مرکز یہی گروہ ہے۔ اس وقت جو بھیڑ ایسے اعمال کی حامل ہے جو قرآن وسنت سے صریحاً متناقض ہیں تو یہ سب اہل بدعت ہیں''(۷)۔

لیجئے پچھلے پیراگراف میں تواتر عملی کی جو صورت انہوں نے بیان کی تھی، اس پیراگراف میں انہوں نے اس کی خود ہی تردید کر دی۔ یہ صریح تناقض ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ پچھلے پیرا گراف میں انہوں نے کہا تھا کہ سنت قرآن کی طرح تواتر عملی سے ثابت ہے جسے آپؐ سے صحابہ کرام نے ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے اور اس طرح ہر نسل پہلی نسل سے قرآن کی طرح لیتی رہی۔ اب بعد والے پیراگراف میں انہوں نے تسلیم کر لیا کہ بعد والی نسلوں میں تو بدعات داخل ہو گئی تھیں لہٰذا سنت کا تواترِ عملی صرف 'ایک نسل' تک محدود ☆ ہے یعنی حضورﷺ سے صحابہ تک اور سارے صحابہ تک بھی نہیں صرف خلفاءِ راشدین تک اور اس کی دلیل بھی کیا دی؟ فعليكم بسنتي ...... الحديث یعنی ایک خبر واحد جو ظني الثبوت اور ان کے نزدیک نا قابل اعتماد ہے۔ **فاعتبروا يا أولى الأبصار!**

یعنی تاثر آپ نے یوں دیا کہ 'تواترِ عملی' گویا ایک سمندر ہے پھر جب بات کا پیچھا کیا تو بات دریاؤں، نہروں، ندی نالوں سے ہوتی ہوئی اس منبع تک پہنچ گئی جہاں سوئی کی طرح ایک دہانے سے پتلی سے دھار نکل رہی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر 'تواتر عملی' محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ بلکہ صرف خلفاء راشدین تک محدود ہے تو اسے قرآن کے تواتر عملی کی طرح حجت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کہ قرآن کا تواتر تو

☆ اصلاحی صاحب نے اُمت سے اختلاف ہی سنتِ نبوی کے ثبوت کے بہانہ سے کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ امت سنتِ نبوی یعنی احادیث کی روایت کے پرکھنے کے محدثانہ ذرائع کو اسی طرح قابل اعتماد سمجھتی ہے جس طرح کوئی جج اپنے عمر بھر کے تجربے کے باوجود اپنے فیصلے کا مدار گواہان پر رکھتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی نے 'رسالہ' میں رواۃ حدیث کو گواہانِ سنت سے تعبیر کیا ہے جبکہ اصلاحی صاحب اس ثبوت کے لئے تعامل اُمت کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان کی عبارت سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احادیث کے بارے میں منکرین حدیث کے شبہات سے اس قدر متاثر ہیں کہ 'روایت' کے نام سے ہی الرجک ہیں، جس کام میں روایت آجائے وہ اس کو اہمیت دینے سے گھبراتے ہیں، اس میں غلطی کا امکان ان کے ذہن میں ایسا سمایا ہے کہ وہ اس سے باہر نہیں نکل پا رہے۔
اب تعامل امت کی تان ٹوٹتی ہے تو صرف ایک نسل اور اس کے بھی چند افراد پر، یہاں پھر وہی سوال باقی ہے کہ یہ تعامل آج اُمت تک معتمد ذریعہ سے نسلا بعد نسل کیسے پہنچے؟ اس کا جواب انہی کے ذمہ ہے، یہ متبادل ذریعہ بشرطیکہ انہیں کوئی سوجھ جائے، تو اس کی استنادی حیثیت کیا ہوگی؟ وہ اور ان کے رفقا اسے کیا مقام دیں گے؟
ہماری رائے میں یہ صرف شریعت میں اپنی من مانی کرنے کے لئے اَلفاظ کا جال ہے جس میں مسلمان اُلجھ کر رہ جائے۔ تعامل امت کے بہانے سے عوام مسلمان انہیں امت کے مجموعی دھارے سے بھی الگ تصور نہ کریں اور وہ علمی موشگافیوں کے ذریعے اپنی مرضی کا اسلام بھی جاری کر لیں اور اس طرح حدیثِ نبوی کی پابندی کرنے سے بچ نکلیں۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج بھی جاری ہے۔ پھر اس ایک نسل یا چند افراد کے تواتر پر وہ نتائج کیسے مرتب ہو سکتے ہیں جو قرآن کے نسل در نسل تواتر پر مرتب ہوتے ہیں؟

اہم ترین سوال یہ کہ اگر یہ تواتر صرف عہد ِصحابہ تک محدود تھا تو پھر آج یہ تواتر ہمیں کیسے معلوم ہو گا یعنی اس تواتر کی ہم تک منتقلی کا ذریعہ کیا ہے؟ اور بفرضِ محال اگر یہ ہمیں معلوم ہو جائے تو 'تواترعملی' کی عدم موجودگی میں اس کی حیثیت کیا ہو گی؟ غرض مولانا کے اس متضاد موقف سے اتنے لاینحل سوالات اُٹھتےہیں کہ الاماں!

۶۔اس دلدل میں مولانا عبد الغفار حسن بھی پھنسے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری تک کا تعامل امت تو حجت ہے، اس کے بعد کا نہیں (محدث: اپریل ۲۰۰۱ء، ص۳۰)۔ گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلی چھ صدیوں میں جو بدعات مروّج ہوئیں وہ تو حق ہیں اور جو بعد میں ہوئیں وہ قابل قبول نہیں۔ اصلاحی صاحب کو تواترعملی کے لیے دلیل لانا پڑی تو وہ عہد صحابہ تک رک گئے۔ محدثین نے قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم[8] کو سامنے رکھ کر معاملہ تابعین تک پہنچا دیا۔ دیکھئے مولانا عبد الغفار حسن کس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے تعامل اُمت کے معاملے کو ساتویں صدی تک کھینچ کر لاتے ہیں؟ حالانکہ بگاڑ کی سرعت کا یہ عالم تھا کہ رافضیت ، خارجیت اور قدریت کے تینوں فرقے پہلی صدی میں نہیں ،عہد صحابہ میں نہیں بلکہ عین دورانِ خلافت ِراشدہ پیدا ہو چکے تھے ، اور دوسری صدی میں تو وہ 'فتنہٴ عظیم' تصوف بھی پیدا ہو چکا تھا جسے تلامذہٴ امین احسن اصلاحی اسلام کے متوازی ایک دوسرا دین سمجھتے ہیں۔اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ہمارے یہ مہربان سنت کو 'تواترِعملی' بلکہ بالفاظِ صحیحتعامل اُمت سے ثابت کرنے کے مسئلے پر ایک دفعہ پھر غور کرلیں تو بیچاری اُمت پر احسانِ عظیم ہو گا۔

۷۔ پھر مولانا اصلاحی اس سنت کو جو ان کی مزعومہ 'تواترعملی' سے ثابت ہو، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مهیمن (نگران) قرار دیتے ہیں۔ان کے الفاظ میں

> ''اگر روایات کے ریکارڈ میں ان [سنن ثابتہ] کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔
> اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہرحال اُمت کے عملی تواتر کو حاصل ہوگی۔''

اور بات صرف ترجیح کی نہیں ، بلکہ اگرکسی حدیث کا مضمون ان کی رائے میں اس 'سنت ِثابتہ' کے خلاف ہوتو اسے ردکر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

> ''اگر کسی معاملے میں اخبارِ احاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی۔ اگر توجیہ نہیں ہو سکے گی تو بہرحال انہیں مجبوراً چھوڑا جائے گا اس لیے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے بالمقابل قطعی ہے۔''(۹)

مولانا اصلاحی کا یہ موقف جمہور اُمت کی رائے کے بالکل برعکس ہے۔ جمہور اُمت کا موقف یہ ہے کہ وہ حدیث وسنن کے صحیح اور ثقہ راویوں سے مروی ریکارڈ کو سنت کا مظہر سمجھ کر متبرک اور مقدس گردانتی ہے۔ وہ اسلاف کی ان محنتوں کی قدر کرتی ہے جو انہوں نے اسماء الرجال، جرح وتعدیل، تدوین حدیث اور روایت ودرایت کے اُصولوں کو مرتب کر کے کی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ اس سارے قیمتی ذخیرۂ علم کی بنا پر قابل اعتماد راویوں سے روایت کردہ صحیح احادیث سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو جاتی ہے لہٰذا ان احادیث پر عمل ضروری ہے۔ یہ رویہ بلاشبہ امت کے سارے فقہی وکلامی مسالک کا ہے۔ اگرچہ مالکیوں اور احناف میں سے بعض☆ ایک آدھ استثنائی صورت میں خبر واحد پر بعض دوسری فقہی دلیلوں کو ترجیح دیتے ہیں لیکن جمہور حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ، اہل تشیع وغیرہ نے ان کے اس موقف کو ردّ کر دیا ہے اور اس پر تند وتیز تنقیدیں کی ہیں اور اس تنقید کے مثبت اثرات متاخرین اَحناف ومالکیہ پر نمایاں نظر بھی آتے ہیں لہٰذا مولانا اصلاحی کا تواترِ عملی کے نہایت مبہم اور تصوراتی نظریئے کی بنا پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ردّ کرنے کا فیصلہ بالکل غلط ہے۔

۸۔ اگر اصلاحی صاحب خلوصِ نیت سے تواترِ عملی اور تعامل اُمت کو حجت مانتے ہیں تو اصلاحی صاحب کو احادیث کی حجیت کو مان لینا چاہیے کیونکہ جمہور اُمت کا تعامل چودہ صدیوں سے یہی ہے کہ وہ احادیثِ رسول کی حجیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح اصلاحی صاحب کو رجم (اور احادیثِ رجم کو) بھی مان لینا چاہیے کیونکہ رجم پر امت کا مسلسل چودہ سو سال سے تعامل موجود ہے اور ان طویل صدیوں میں کسی ایک شخص نے بھی اس موقف کو اپنایا ہے، نہ اس پر عمل کیا ہے جو رجم کے حوالے سے مولانا اصلاحی کا ہے۔ لہٰذا رجم کے بارے میں مولانا کا موقف خود ان کے اپنے وضع کردہ 'تواترِ عملی' اور 'سنت ثابتہ' کے اصول کی رو سے قابل ردّ ہے۔

☆ جیسے عیسیٰ بن ابان غیر فقیہ صحابہ کی حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اسے 'قیاس' کے بجائے 'درایت' کا نام دیا ہے، گویا اس طرح حدیث پر فقہ کو بالادستی دینے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ فن حدیث اور فقہ کے مقاصد ہی مختلف ہیں۔ فن حدیث میں 'درایت' کا تعلق خبر واقع کی تحقیق سے ہے جبکہ فقہ 'خبر' کے بجائے مجتہد کی استنباطی شے ہوتی ہے۔ استنباط واجتہاد میں درایت کے اُصول استحسان، استصلاح وغیرہ کہلاتے ہیں۔ جبکہ اصولِ حدیث میں 'درایت' محدثین کے طریقہ پر خبر کی واقعاتی تحقیق کہلاتی ہے جو کہ محدثانہ طریقوں سے کی جاتی ہے۔ اگر ایک فن کی اصطلاح دوسرے فن میں خلط ملط کر دی جائے تو کئی مغالطے پیدا ہو سکتے ہیں۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ احادیث کے بارے میں مولانا اصلاحی کا رویہ کتنا ناانصافی پر مبنی ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل معاملے پر غور کیجئے:

☆ جمہور علما کا موقف یہ ہے کہ احادیث رسول ﷺ حجت ہیں (یعنی وہ احادیث جو 'صحیح' ہوں اور ان کے راوی ثقہ ہوں) ان میں آپؐ کے اَقوال بھی محفوظ ہیں اور آپؐ کے اَفعال بھی۔ بہت سے امور میں تعامل اُمت ان احادیث کے مطابق ہے لہٰذا اس سے احادیث کے قابل اعتماد اور صحیح ہونے کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔

☆ مولانا اصلاحی کا موقف یہ ہے کہ حدیثیں ظنی الثبوت اور مجموعہ رطب ویابس ہیں۔ اگر کوئی حدیث سنت ِمتواترہ کے مطابق ہے تو یہ اس سنت ِمتواترہ کی تائید مزید ہے اور اگر اس کے خلاف ہے تو قابل ردّ ہے"(۱۰)۔

ان دونوں عبارتوں کو ذرا توجہ سے دوبارہ پڑھیے تو آپ محسوس کر لیں گے کہ ایک ایسی بات جس سے احادیث کی تائید ہوتی اور ان کی ثقاہت پر اعتماد بڑھتا ہے، مولانا نے اسے اس طرح الٹا گھما دیا ہے کہ احادیث کی وہ خوبی نہ صرف نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے بلکہ ان کی کمزوری بن جاتی ہے۔ یہ ہے منفی ذہانت!!

۱۰۔ 'سنت ِثابتہ' اور 'تعامل اُمت' کو احادیث پر مُہیمن بنانے کی زَد بالآخر کہاں پڑتی ہے اس پر بھی ذرا غور فرما لیجئے! کسی ایک بدعت مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ِ ولادت کو بطورِ تقریب منانے کی مثال لے لیجئے۔ تقریباً تیسری صدی ہجری سے آج تک متواتر یہ عید میلاد کسی نہ کسی صورت میں منائی جاتی ہے۔ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت بھی یہ عید مناتی ہے (یہ ایک حقیقت ہے [گو تلخ سہی] کہ مملکت پاکستان میں آج بھی اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہ عید مناتے ہیں اور مولانا اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن اور ہماری طرح کے جو لوگ اسے بدعت سمجھتے ہیں، وہ ان کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں)۔ اب حدیث کو حجت ِشرعی سمجھنے والوں کے پاس تو عید میلاد کی اس بدعت کو ردّ کرنے کے لیے ثقہ راویوں کی روایت کردہ صحیح احادیث موجود ہیں لیکن مولانا اصلاحی کے تواترعملی اور تعامل امت کے فلسفے کی بنا پر تو عیدِ میلاد کا منانا حجت ِشرعی ہونا چاہیے؟ اگر آپ کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے تو فرمایئے کہ کیوں نہیں ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو حدیث سے باہر آپ کے پاس اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار

سنت اور حدیث میں فرق کرنے اور حدیث کو ظنی الثبوت، مجموعہ رطب و یابس اور صحت کے لحاظ سے ناقابل اعتماد قرار دینے کے بعد جب مولانا اصلاحی فہم قرآن میں حدیث کے کردار کی بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ قرآن فہمی کا اصل انحصار اس کے داخلی وسائل پر ہے جس میں وہ قرآن کی زبان، اس کے نظم اور تفسیر القرآن بالقرآن کو شامل کرتے ہیں۔ اس کے خارجی وسائل میں وہ 'سنت ِمتواتر' کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد کہیں پانچویں نمبر پر وہ 'احادیث و آثار صحابہؓ' کو لاتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے طے کردہ 'داخلی وسائل' کو حدیث پر مُھیمن بناتے اور ان سے اختلاف کی صورت میں حدیث کو رد کرتے ہوئے (جیسا کہ انہوں نے رجم کے معاملے میں کیا ہے)۔ اسی طرح وہ حدیث سے قرآن کے نسخ و تخصیص☆ کا بھی انکار کرتے ہیں۔(۱۱)

قرآن فہمی یا تفسیر قرآن میں حدیث وسنت کے کردار کے حوالے سے مولانا اصلاحی کا یہ موقف نہ صرف غلط ہے بلکہ جمہور اہل علم کے موقف کے برعکس بھی ہے لیکن اپنی خدا داد ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے ان کا طریق واردات یہاں بھی وہی ہے جو پچھلے مبحث میں تھا کہ ؎ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ وہاں انہوں نے حدیث وسنت میں فرق اور تواترِ عملی کے اثبات میں جو موقف اختیار کیا وہ مغالطوں اور تضادات سے پُر تھا اور انہوں نے اس موقف کی تاویل در تاویل اس طرح تفصیل کی کہ ان کا موقف منکرین سنت کے قریب جا پہنچا۔ یہاں قرآن فہمی میں حدیث وسنت کے کردار کے حوالے سے بھی ان کا موقف تضادات سے مملو اور انکارِ سنت کے قریب جا پہنچتا ہے چنانچہ پچھلے پیراگراف میں آپ نے ان کا یہ موقف پڑھا کہ وہ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھتے ہوئے پانچویں نمبر پر لاتے ہیں، اب ان کا ایک اور موقف پڑھیے۔ 'سلف کا طریقۂ تفسیر' کے عنوان سے مبادیٔ تدبرِ قرآن میں وہ کہتے ہیں:

☆ حدیث سے قرآن کی تخصیص کے تو جمہور فقہا قائل ہیں البتہ نسخ کے بارے میں امام شافعیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث سے مطلقاً قرآن کے نسخ کے قائل نہیں اور وجہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ حدیث کا درجہ قرآن سے کم تر ہے لیکن امام شوکانیؒ نے اصولِ فقہ پر اپنی مشہور تالیف 'ارشاد الفحول' (ص ۱۶۸) میں امام شافعی کے قول کی امام زرکشی کی طرف سے توجیہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعی کا مقصود یہ ہے کہ قرآن سنت کو منسوخ نہیں کرسکتا اور نہ سنت قرآن کو (ملخصاً)۔ گویا امام شافعیؒ نسخ کی یہ بات دونوں کے مرتبہ کے فرق کی بنا پر نہیں کہتے۔ الفاظِ قرآن کا مرتبہ بلاشبہ مفہوم حدیث پر بالا ہی ہے لیکن امام شافعیؒ کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کا باہمی تعلق ناسخ ومنسوخ کا نہیں، بلکہ اِجمال وبیان کا ہے لہٰذا ان میں ٹکراؤ پیدا کرنے کے بجائے ان کو باہم ملا کر مفہومِ شریعت متعین کرنا چاہیے جیسے ایک دوسری جگہ ان کے الفاظ یوں ہیں: نزل القرآن جملة حتی بیّنه الرسول قرآن اجمالی حیثیت سے اُترا جبکہ سنت اس کی تبیین ووضاحت کرتی ہے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''انہی وجوہ سے سلف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ پہلے وہ قرآن کو خود قرآن کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے، اس کے بعد اگر کوئی مشکل باقی رہ جاتی تو اس کا حل رسول اللہ ﷺ کے اَقوال واَفعال میں تلاش کرتے۔ اس کے بعد بھی اگر معاملہ کا کوئی گوشہ محتاجِ توضیح رہ جاتا تو اس کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال سے مدد لیتے''۔ پھر فرماتے ہیں کہ

''تفسیر کا یہ طریقہ بالکل فطری ہے، اصلی چیز خود قرآن کے الفاظ اور اس کی اپنی توضیحات ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور تیسرا درجہ اقوالِ صحابہ کا ہے''۔[۱۲]

اور نہ صرف یہ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ اہل علم کا یہ موقف نقل کرتے ہیں اور اس کا معارضہ بھی نہیں کرتے کہ احادیث اگر صحیح اور ثابت شدہ ہوں تو وہ قرآن فہمی کا ماخذ اوّل ہیں۔[۱۳] چنانچہ وہ صاحب ِ'الاتقان' کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

''تفسیر کے بہت سے ماخذ ہیں جن میں سے چار اُصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اول وہ نقل ہے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے اور یہی مقدم ترین ہے لیکن اس باب میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے کیونکہ اس قسم کی روایات بہت ہیں''۔[۱۴]

اب ان دونوں مواقف میں اتنا صریح تضاد ہے کہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ اصلاحی صاحب ان دونوں باتوں کو بیک وقت کیسے مان سکتے ہیں؟

۱۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کا جو طریقہ سلف صالح نے اختیار کیا اور جو تفسیر کا فطری طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے کی جائے بلکہ اہل علم کا یہ موقف بیان بھی کرتے ہیں اور اس کی مخالفت بھی نہیں کرتے کہ صحیح اور ثابت شدہ احادیث تفسیر کا اوّلین ماخذ ہیں جب کہ دوسری جگہ وہ احادیث کو آثارِ صحابہ کے ساتھ کرکے تفسیر کے اُصولوں میں قرآن کی زبان، نظم قرآن، تفسیر القرآن بالقرآن اور سنتِ ثابتہ کے بعد پانچویں نمبر پر لاتے ہیں۔ ناطقہ سر بگریباں ہے، اسے کیا کہئے؟

۲۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم امت کے سارے اہم اور معتدبہ مفسرین اور علماء کے تفصیلی حوالے دیتے جنہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حدیث وسنت قرآن کی تفسیر کا دوسرا بڑا ماخذ ہیں (بلکہ ہم نے ابتدائی کوشش میں امام شافعی[۱۵]، طبری[۱۶]، قرطبی[۱۷]، ابن کثیر[۱۸]، آلوسی[۱۹]، ابن تیمیہ[۲۰]، شاطبی[۲۱] اور راغب اصفہانی[۲۲] کے حوالے اکٹھے بھی کر لیے تھے) اور ان علماء ومحدثین کے حوالے بھی دیتے جنہوں نے کہا ہے کہ حدیث وسنت تفسیر قرآن کا اوّلیں ماخذ ہیں (مثلاً یحییٰ بن ابی کثیر[۲۳] اور مکحول[۲۴] وغیرہ) لیکن جب اصلاحی صاحب خود اس موقف کو جانتے اور مانتے ہیں تو ان حوالوں کا

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر محض تطویل ہوگا۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اِصلاحی نے اپنی منفی ذہانت سے اسلاف کے اس موقف کا ناجائزہ فائدہ اٹھایا ہے کہ 'تفسیر القرآن بالقرآن' کا اصول، تفسیر کا پہلا ماخذ ہے۔ اسلاف کا مقصد اس سے یہ تھا کہ قرآن کے ایک مقام کی تفسیر اگر قرآن میں کسی دوسرے مقام سے ہوجائے تو یہ امر کافی ہے۔ ان کا مقصود اس سے 'اپنے فہم قرآن' کو حدیث پر مُہیمن بنانا☆ نہیں تھا لیکن مولانا اصلاحی نے یہ کیا کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے لیے جو اصول انہوں نے ازخود وضع کیے، ان کی بنیاد پر انہوں نے صحیح، ثابت شدہ اور اُمت کے نزدیک چودہ سوسال سے مقبول ومعمول بہ احادیث کو ردّ کردیا (رجم کا معاملہ اس کی ایک مثال ہے)۔

ممکن ہے اصلاحی صاحب کے تلامذہ کہیں کہ 'استاد امام' کے اصولِ تفسیر میں کون سی بات نئی ہے جسے بدعت کہا جاسکے؟ ہمیں اس پر یاد آرہا ہے کہ یہ تماشا چند سال پہلے مصر میں ہوا تھا کہ حکومت نے چند تنخواہ دار حکومتی علما کو ذمہ داری سونپی اور انہوں نے متقدمین علما کے بعض شاذ اَقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کردیئے جن کی مدد سے مصری حکومت نے ایک ایسا عائلی قانون بنادیا جو 'روشن خیال اور ترقی یافتہ' مغربی تہذیب کے اصولوں کے مطابق تھا مثلاً اس میں طلاق کا حق مرد کی بجائے عورت کے ہاتھ میں تھا، طلاق کے بعد بھی عورت کا نفقہ مرد کے ذمے تھا، وغیرہ وغیرہ۔ جب علماء اورعوام نے اس قانون کی مخالفت کی تو سرکاری علماء نے کہا کہ یہ قانون تو سارے کا سارا متقدمین فقہا کی آرا پر مشتمل ہے اور حوالے پیش کیے لیکن یہ چالبازی نہ جمہور علما کو مطمئن کرسکی نہ مسلمان

☆ قرآن وسنت کی ایک دوسرے پر چوکیداری کی یہ ساری بحثیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب ان کو ایک دوسرے کا معاون وموضح سمجھنے کے بجائے، ایک دوسرے کا مخالف سمجھ لیا جائے۔ اللہ کا نبی ہی قرآن لے کر آیا، اس کے بتلائے ہوئے الہامی الفاظ قرآن قرار دیئے گئے اور شریعت کا عملی نقشہ حدیث وسنت کی صورت میں محفوظ ہوا۔ قرآن اور سنت دونوں مل کر شریعت ہیں اور دونوں ہی وحی الٰہی ہیں۔ اللہ کے رسول نعوذ باللہ اللہ کی مخالفت کرنے نہیں آئے تھے جس کی کلام وہ قرآن بتا رہے ہیں، بلکہ قرآن کے مطابق اسی کی تائید وتشریح کے لئے آئے تھے، لہٰذا دونوں کی باہمی وضاحتوں کو ایک دوسرے پر اعتداء کیوں سمجھا جائے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک حدیث صحیح ثابت ہوجائے، دوسرے لفظوں میں اس کا ارشادِ نبیؐ ہونا مستند ہوجائے تو اس ارشادِ نبوی کو وہی حیثیت دی جائے جو خود نبی کریم ﷺ کی الفاظِ قرآن کے بارے میں تھی۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق کے ایسے رویے پر سخت تنبیہ فرمائی ہے سورۃ النساء/۱۵۰ میں ارشاد ربانی کا ترجمہ یوں ہے "وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہوئے ان کے مابین فرق کرنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں، اس طرح وہ ایک درمیانی راستہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، ایسے ہی لوگ پکے کافر ہیں"۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کو، چنانچہ اس قانون کے خلاف ہنگامے شروع ہو گئے اور بالآخر حکومت کو یہ قانون واپس لینا پڑا۔اسی طرح مولانا اصلاحی سنتِ ثابتہ اور تفسیر القرآن بالقرآن جیسی مانوس اصطلاحات استعمال کر کے ان کے ذریعے جو نامانوس اور غلط فکر پیش کر رہے ہیں، اسے نہ جمہور علما مانیں گے نہ جمہور اُمت۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ اصول علماءِ امت کے ہیں تو انہوں نے اس طرح انہیں استعمال کیوں نہیں کیا اور امت میں یہ مجموعی طرزِ عمل رواج کیوں نہیں پایا۔ لازمی سی بات ہے کہ ان کے چند اقوال سیاق وسباق سے ہٹا کر، یا چند شاذ اقوال جمع کر کے ان کی بنیاد پر عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے گویا اپنی بات زبردستی ان علماء کے منہ میں ٹھونسی جارہی ہے۔

۴۔ فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے حوالے سے صحیح موقف یہ ہے اور اس پر سارے مفسرین اور اہل علم متفق ہیں کہ کسی قرآنی آیت کی کوئی تفسیر اگر رسول اللہ ﷺ سے (صحیح متن کے ساتھ اور ثقہ راویوں کے ذریعے [مقبول حدیث کی شرائط کے مطابق]) منقول ہو تو وہ حجت اور سند ہے۔ اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کے کسی پہلو کی جو تفسیر نبی ﷺ کر دیں تو کوئی مسلمان مفسر اس تفسیر کو یہ کہہ کر ردّ نہیں کرسکتا کہ اس کی رائے میں یہ تفسیر غلط ہے۔ اصلاحی صاحب نے یہی تو کیا ہے کہ رجم کے معاملے میں اپنی تفسیر قرآن کو نبی کریم ﷺ کی تفسیر قرآن پر مُہیمن ٹھہرا دیا ہے۔

اَسلاف میں سے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ السنة قاضية على الكتاب[۲۵] یا القرآن أحوج إلى السنة من السنة إلى القرآن[۲۶] (اور یہ کوئی معمولی لوگ نہیں تھے پہلا قول یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ) کا ہے جن کے بارے میں ذہبی[۲۷] اور ابن حجر[۲۸] کا یہ کہنا ہے کہ كان من ثقات أهل الحديث ورجحه بعضهم على الزهري اور دوسرا قول مکحول بن ابی مسلم (م ۱۱۲ھ) کا ہے جن کے بارے میں امام زہری کا قول ہے لم يكن في زمنه أبصر منه بالفتيا۔ ذہبی[۲۹]، ابن حجر[۳۰] اور اسماء الرجال پر دوسرے لکھنے والے انہیں من حفاظ الحديث اور فقيه شام کے لقب سے پکارتے ہیں) اس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن کی جو تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے وہ حجت اور حرفِ آخر ہے۔ اب قرآن کے اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں لیے جا سکتے اور یہ موقف بالکل صحیح ہے۔ اس کا مطلب خدانخواستہ سنت کو قرآن پر مُہیمن بنانا نہیں بلکہ تفسیر قرآن میں نبی کریم ﷺ کے فہم قرآن کو ماسوا پیغمبر کے باقی سب پر مہیمن بنانا ہے۔ ورنہ کون صحیح الدماغ مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ سنت قرآن پر مہیمن ہے یا سنت قرآن پر مقدم ہے؟

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ ہم اصلاحی صاحب کے اس موقف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے جس میں انہوں نے (صحیح و ثابت شدہ) احادیث کو تفسیر قرآن میں پانچویں نمبر پر رکھتے ہوئے اس میں آثارِ صحابہ کو بھی ساتھ شامل کر دیا ہے۔ ہم صحابہ کرام کی عظمت کے بڑے قائل اور ان کے بڑے مداح ہیں۔ وہ اُمت کے لیے منارۂ نور ہیں، وہ انبیاء کے بعد ساری دنیا سے افضل ہیں، خدا نے انہیں صحبتِ رسول اللہ ﷺ اور غلبہ اسلام کے لیے چن لیا تھا...... غرض ان کے اِکرام میں جتنا بھی مبالغہ کیا جائے کم ہے لیکن قانونی بات یہی ہے کہ وحی صرف محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی تھی اور دین کا ماخذ قرآن کے بعد صرف سنت رسول ﷺ ہے۔ سنت کی حجیت میں صحابہ کرامؓ کو شامل کرنا، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اکرام نہیں مقام رسالت کا استخفاف ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال سر آنکھوں پر لیکن کسی صحابی کے قول و فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے برابر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ پھر کتبِ احادیث میں روایاتِ صحابہ کیوں شامل ہیں؟ وہاں صحابہ کرام جو بات حضور ﷺ کے حوالے سے کہیں وہ تو ظاہر ہے کہ سنت کا بیان ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ جہاں تک صحابہ کرامؓ کے اپنے اَقوال و اجتہادات کا تعلق ہے تو انہیں کوئی بھی صاحبِ علم سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار نہیں دیتا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور اُمت کا موقف یہ ہے کہ

۱۔ احادیث وسنن (جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح المتن ہوں [آسان الفاظ میں صحیح کی شرائط پر پوری اتریں، محدث]) وہ سنتِ رسول ﷺ ہیں اور ان پر عمل ضروری ہے۔

۲۔ محض تواترِ عملی یا تعامل امت سے کوئی سنت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تواترِ عملی سے سنت کا اثبات محض ایک یوٹوپیا (تخیل) ہے اور اُمت میں کبھی کسی نے یہ موقف نہیں اپنایا۔

۳۔ قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار بنیادی اور اُصولی ہے اور حضور ﷺ اگر کسی آیت کی تفسیر فرما دیں تو وہ حتمی ہے گویا حدیث وسنت تفسیر قرآن کا اوّلیں اور معتبر ترین ماخذ ہے (یا باسلوبِ بعض قرآن کے بعد☆ اوّلیں ماخذ ہے)۔

منکرین سنت کا موقف ہے کہ احادیث وسنن کی مرویات ناقابل اعتماد ہیں لہٰذا قرآن فہمی میں ان کا

☆ دورِ حاضر کے محدثِ جلیل علامہ البانی کے بقول شریعت کی تعبیر میں حدیث وسنت دوسرے درجے کا ماخذ نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت وحی اور شریعت ہونے کی بناء پر یکساں حجت ہیں دونوں کو ملا کر شریعت حاصل ہوتی ہے اگرچہ کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے ایک کو 'قرآن' کہا جاتا ہے تو مراد الٰہی ہونے کے اعتبار سے دوسرے کو حدیث وسنت۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں مقالہ علامہ البانی 'محدث' اپریل ۹۲ء)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی کردار نہیں۔ مولانا اصلاحی کا کا موقف یہ ہے کہ

۱۔ سنت سے مراد سنت ِ ثابتہ ہے جو تواترِ عملی سے ثابت ہوتی ہے (ہم نے سطورِ بالا میں تجزیہ کرکے دکھایا ہے کہ تواترِ عملی حقیقت نہیں، محض ایک یوٹوپیا ہے)۔

۲۔ احادیث ظنی الثبوت اور مجموعہ رطب و یابس ہیں اور بحیثیت ِ مجموعی ان کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا لہٰذا فہم قرآن میں ان کا کوئی بنیادی کردار نہیں۔

۳۔ اگر کوئی حدیث فہم قرآن کے لیے ان کے وضع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن کے اُصولوں کے خلاف ہو تو وہ قابل ردّ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی بنا پر رجم کی صحیح اور ثقہ راویوں سے مروی ان بیسیوں احادیث کو ردّ کر دیا جن کو اُمت چودہ سو سال سے قبول کرتی چلی آرہی ہے اور ان پر عامل ہے۔

اس طرح بحیثیت ِ مجموعی اور آخری نتیجے کے اعتبار سے مولانا اصلاحی کا موقف منکرین سنت کے موقف سے بہت قریب ہو جاتا ہے جس کا غلط ہونا بآسانی واضح ہے۔

ہم اس بحث کو سمیٹنے سے پہلے قارئین کی توجہ چند اہم امور کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں جن کا اس موضوع سے گہرا تعلق ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے مضمون میں جو بار بار 'جمہور علماء' اور 'جمہور اُمت' کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو اس سے مقصود اصلاحی مکتب ِفکر کو یہ احساس دلانا ہے کہ حدیث وسنت کے بارے میں ان کا موقف شذوذ میں سے ہے اور امت کی معروف، عمومی اور اجتماعی سوچ کے خلاف ہے۔ کسی امام یا فقیہ کی رائے سے دلیل کے ساتھ اختلاف کیا جاسکتا ہے اور یہ کوئی گناہ یا عیب کی بات نہیں۔ لیکن ایسا موقف اپنانا جو امت میں کبھی کسی نے نہ اپنایا ہو یا کسی ایسے موقف کی تردید وتغلیط کرنا جو ہمیشہ سے اُمت اور اس کی اکثریت کا موقف رہا ہو، اپنے اندر اس امر کا غالب امکان رکھتا ہے کہ وہ 'غیر سبیل المومنین' ہونے کے ناطے غلط ہو۔ یہ محض عقلی یا منطقی بات نہیں بلکہ اس موقف کی شرعی اساس بھی موجود ہے اور مسلمانوں میں 'اجماع' کا ادارہ اسی کا مظہر ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت یوں ہی قائم رہ سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ علمی نکتہ آفرینی اپنی جگہ لیکن اگر کوئی مکتب فکر اس امر کا مدعی ہو کہ حق کی اس کی تعبیر دین اور تفسیر دین میں ہی منحصر ہے تو اسے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ہم مولانا اصلاحی یا کسی بھی دوسرے عالم کا یہ حق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر پر قلم اٹھاتے ہوئے وہ نئے علمی نکات سامنے لائے (کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور جو بھی اس کے بحر علوم میں غواصی کرے وہ کسی گوہر کو پا سکتا ہے) یا عام مفسرین کی ہو بہو پیروی کرنے کی بجائے اپنا رستہ الگ نکالے مثلاً ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اگر مولانا اصلاحی نظم قرآن پر زور دیں یا نزولِ قرآن کے زمانے کی نظم ونثر کو خصوصی اہمیت دیں یا اس بات کو اپنی ترجیح بنائیں کہ ہر آیت سے ایک ہی واضح حکم کا اثبات ہو لیکن اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ صرف ان کے

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضع کردہ تفسیری اُصول ہی صحیح ہیں اور صرف وہی قرآن کو صحیح سمجھے ہیں یا یہ کہ ان کے وضع کردہ تفسیری اصولوں کے بغیر قرآن کے صحیح فہم کو پایا نہیں جا سکتا مثلاً مولانا اصلاحی اگر یہ کہیں کہ نظم کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا اور نظم کو ہم نے کھولا ہے پہلے تو کسی کو یہ توفیق نہیں مل سکی (جیسا کہ وہ کہتے ہیں)[۳۱] تو ان کا یہ دعویٰ ردّ کر دیا جائے گا کیونکہ اس بات کو ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ امت آج تک تاریکی میں تھی اور قرآن کو سمجھ نہ سکی اور مولانا اصلاحی پہلے فرد ہیں جو قرآن کو صحیح طور پر سمجھے ہیں گویا کہ امت کے علما، فقہا، مفسرین اور محدثین پچھلے چودہ سو سال میں محض بھاڑ جھونکتے اور گھاس کھودتے رہے ہیں۔ اُمت کی کردارکشی اور سلف کی مذمت کا یہ رویہ نہ صرف یہ کہ عُجب اور مریضانہ خود پسندی کا مظہر ہے بلکہ ساری فکری گمراہیوں کی جڑ ہے۔ صحیح فرمایا تھا امام ابن تیمیہ نے کہ جو شخص سلف کے طریقے سے ہٹ کر تفسیر کرتا ہے وہ گویا بدعات کا دروازہ کھولتا ہے[۳۲] ہم کہتے ہیں کہ ساری امت کو گمراہ اور سارے اسلاف کو غلط قرار دینے کی بجائے کیا یہ بہتر نہیں کہ صرف اصلاحی صاحب کی فکر کو غلط قرار دے دیا جائے۔

پھر آپ کی حریتِ فکری، انفرادیت پسندی، آپ کی ذہانت اور رسوخِ علم سب قبول۔ آپ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی طرح مجتہد مطلق بن کر استنباط کے نئے اصول وضع کریں تو بھی قابل برداشت۔ طبری، زمخشری اور رازی کے بالمقابل نئے اُصول تفسیر☆ لائیں تو بھی گوارا لیکن اگر آپ اپنے تفسیری اصولوں کی بنا پر اپنے فہم قرآن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم قرآن پر مقدم گردانیں گے تو ہم ہرگز نہ مانیں گے۔ حدیث وسنت کا معاملہ کوئی فرعی اور ضمنی معاملہ نہیں ہے، یہ اصول کا معاملہ ہے۔ امت چودہ سو سال سے حدیث وسنت کو قرآن کے ساتھ دین کا دوسرا ماخذ مانتی چلی آرہی ہے، آج بھی مانتی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک مانتی رہے گی۔

آپ اپنے شوقِ اختلاف کو اگر امتیوں تک محدود رکھتے تو قابل برداشت تھا لیکن آپ کا رویہ یہ ہے کہ ایک صحابی غلطی کرے تو آپ اسے غنڈہ قرار دیتے ہیں[۳۳] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر سورۂ نور میں زانی کو زانی غیر محصن قرار دیں تو آپ اس کی تغلیط کرتے ہیں[۳۴] اور آپ کے شاگرد رشید کہتے ہیں کہ ''اگر یہاں زانی کو زانی غیر محصن کہا جا سکتا ہے تو پھر گدھے کو گھوڑا اور گائے کو بیل بھی کہا جا سکتا ہے''۔[۳۵] ہم کہتے ہیں کہ یہ جناب رسالتِ مآب (فداہ ابي وامی) کے حضور سوءِ ادب اور گستاخی ہے جو اشتعال انگیز ہے (اور ہمیں ڈر ہے کہ کوئی جذباتی نوجوان ان الفاظ پر جاوید غامدی کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ نہ درج کرا دے)۔

سطورِ بالا میں ہم نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ ہمارا انفرادی جذباتی موقف نہیں ہے بلکہ صحابہ اور تابعین کے زمانے سے اہل علم کا سوچا سمجھا موقف ہے۔ چنانچہ امام دارمی نے یعلی بن حکیم سے روایت کی

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک دفعہ حدیث بیان کی تو ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے تو حضرت سعید نے اس کا برا منایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھ سے زیادہ قرآن جانتے تھے[۳۶] حقیقت یہ ہے کہ اس امر کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو سنت کو منزل من اللہ اور اللہ کی طرف سے تصدیق اور تصویب شدہ نہ مانتا ہو ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی اس تفسیر کو حتمی نہ مانے جو خود صاحب قرآن نے کی ہو جو خود از روئے قرآن ان کا فرضِ منصبی ہے۔[۳۷]

دوسری بات جو اس پہلے نکتے میں بیان کی گئی حقیقت کا نتیجہ اور تتمہ ہے، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے جذباتی محبت ہر مسلمان کا سرمایۂ ایمان ہے اور یہ اہل اسلام کی قوت کا منبع اور ان کے اتحاد اور ایک اُمت بنے رہنے کا بہت بڑا سبب ہے اور اسلام کے دشمن اس محبت کو کم کرنا اور اس تعلق کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ان کے لیے تر نوالہ ثابت ہوں۔ لہٰذا اہل نظر حضور ﷺ سے اُمت کی اس محبت کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اسے بڑھانا چاہتے ہیں (جس کی ایک مثال علامہ اقبال کا طرزِ عمل ہے۔ لاہور کے ایک ان پڑھ نوجوان نے جب ایک شاتم رسول کا سر قلم کیا تو اقبال نے کہا "ہم پڑھے لکھے باتیں ہی بناتے رہ گئے اور بڑھئی لڑکا بازی لے گیا"۔[۳۸] اسی طرح جب انہوں نے قادیانیت کے خلاف بیان دیا تو نہرو نے طنزاً کہا کہ اقبال تم بھی! مطلب یہ کہ تم جیسا پڑھا لکھا اور روشن خیال شخص بھی اس طرح کے مذہبی تعصب کا مظاہرہ کرے گا، اس کی توقع نہ تھی۔ اقبال نے فوراً جواب دیا ہاں میں بھی، کیونکہ یہ امت کی بقا کا مسئلہ ہے)[۳۹]۔ جبکہ اصلاحی مکتب فکر کا حدیث کے حوالے سے موقف منکرین سنت کی طرح حضور ﷺ سے مسلمانوں کی اس جذباتی وابستگی کو دھچکا پہنچاتا ہے۔ خبر واحد کی حجیت پر علمی بحثیں ماضی میں اُصولیوں کے درمیان ہوتی رہی ہیں لیکن اسے اپنی فکر کا مرکزی نکتہ بنانا، اسے عوام میں پھیلانا اور انہیں قائل کرنے کی جدوجہد کرنا، اس پر فخر کرنا اور اس کیلئے بعض اوقات غیر محتاط زبان استعمال کرنا، یہ سب اپنے آخری نتیجے میں رسول اللہ ﷺ سے جذباتی وابستگی کو کمزور کرنے کا سبب بن رہا ہے۔☆

☆ نبی کریم سے محبت آپ کے اَقوال وافعال سے محبت، اُن کی اتباع پر منتج ہونی چاہئے۔ احادیثِ نبوی کو دین فہمی میں اہمیت نہ دینا گویا شانِ نبوت اور حبِ نبوی کا انکار ہے۔ نبی کی شریعت کے شارح کی حیثیت کو کسی امتی نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح کیا ہے۔ صرف مسئلہ نبی کے فرمان کے صحیح طور پر ثابت ہوجانے کا ہے۔

یہاں اس مسئلہ پر بھی غور کرنا چاہئے کہ شریعت دورِ نبوی میں اور آج تک بالکل ایک ہی رہی ہے، ایسا نہیں کہ کوئی امر صحابہ کے لئے تو شریعت ہو اور ہمارے لئے نہ ہو، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ کا دین صحابہ اور ہمارے لئے یکساں نہیں۔ ایک بات جسے نبی کریم اپنے صحابہ سے فرمائیں تو وہ تو اس کو ماننے کے مکلّف ہوں، لیکن ہم مرورِ زمانہ کے بعد اس کے پابند نہ رہ جائیں، کیونکر ایسے ہوسکتا ہے!!؟ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرے یہ کہ یہ صرف حدیث وسنت ہے جو دین اور معاشرے کی تفصیلی صورت گری کرتی ہے۔ قرآن ظاہر ہے کہ تفاصیل سے بحث نہیں کرتا۔اس لیے اسلام دشمن قوتوں کی کوشش یہ ہے کہ کسی طرح حدیث وسنت کو مسلمانوں کی نظروں میں مشتبہ قرار دیا جائے تاکہ قرآن کی من مانی تفسیر کا راستہ صاف ہو جائے۔ اس کے لیے ایک تکنیک یہ اختیار کی گئی ہے کہ قرآن کی عظمت و حاکمیت پر اس طرح اصرار کیا جائے کہ حدیث وسنت اس کے سامنے بے وقعت لگے۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو قرآن کی سطوت وعظمت کا قائل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، وہ زمین پر خدا کی حجت ہے، وہ کلامِ باری تعالیٰ ہے، اس کی حکومت بحروبر پر چھائی ہوئی ہے، وہ اللہ کی برہان اور منارۂ نور ہے۔ غرض قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے جتنا بھی مبالغہ کر لیا جائے وہ کم ہے اور اس کے لیے جتنی بھی شاعری اور لفاظی کر لی جائے وہ صحیح اور برحق ہے لیکن اس کی قیمت یہ نہیں ہونی چاہیے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا، قرآن کے نام پر اس کی سنت کو پیچھے پھینک دیا جائے اور اُمت چودہ سو سال سے جن احادیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر ان پر عمل پیرا اور ان کے تقدس کی قائل ہے، قرآن فہمی کے نام پر ان کو بے وقعت کر دیا جائے۔ ظاہر ہے یہ موقف اسلام دشمنوں کو تقویت دینے والا ہے!!

قرآن فہمی میں حدیث وسنت کے کردار کے حوالے سے اپنی گزارشات ختم کرتے ہوئے☆ ہم مولانا

☆ حضرت مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ کبرسنی اور ضعف ونقاہت کی بنا پر شاید اب لکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، اس لئے ہم ان کا اِس شمارے میں ایک دوسرا مضمون بعنوان ''حدیث کے ظنی ہونے کا مفہوم'' جو بہت عرصہ قبل ماہنامہ میثاق، لاہور کے شمارہ جولائی، اگست ۱۹۶۲ء (زیرادارت مولانا امین احسن اصلاحی) میں شائع ہوا تھا، محدث کے اسی شمارے میں دے رہے ہیں جو اصلاحی صاحب کے اس دعوے کی تو تردید کرتا ہے کہ حدیث ظنی الثبوت ہونے کی بنا پر اعتبار کے قابل نہیں تاہم ڈاکٹر محمد امین کے اس تاثر کی اس مضمون سے بھی تائید ہوتی ہے کہ مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ حدیثِ رسول کی حجیت پوری طرح تسلیم کرنے کے باوجود اصلاحی صاحب کی تواتر عملی کی نام نہاد اصطلاح سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوگئے ہیں۔ جیسا کہ موصوف اس مضمون میں بھی تواتر کی بحث میں مولانا اصلاحی کا تعامل امت والا نکتہ لے آئے ہیں جس کا تعاقب زیر نظر مقالہ میں ڈاکٹر محمد امین نے کیا ہے۔

درحقیقت یہ بحث فن حدیث کی اصطلاح 'خبر متواتر' کی بجائے اُصولِ فقہ کے 'مسئلہ اجماع' سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ شریعت کے بنیادی فکری اور عملی مسائل پر اجمالی طور پر پوری اُمت کے اتفاق واجماع کا انکار وہ لوگ بھی نہیں کرتے جو کسی فرعی مسئلے پر اجماع کے قائل نہیں ہیں۔ امام الحرمین الجوینیؒ نے ایسے اجماع کی حجیت کا اپنی کتاب 'البرہان فی اُصول الفقہ' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مختصر یہ کہ مسئلہ اجماع اور اس کی مسلمہ حجیت اُصولِ فقہ سے متعلق ہے جبکہ حدیث میں تواتر کی بحث خبر اور اس کی روایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اصولِ فقہ کے قواعد وضوابط اُصولِ حدیث کے طریقوں سے مختلف ہیں کیونکہ فقہ کا تعلق اِستنباط واجتہاد سے ہوتا ہے جبکہ فن حدیث کا موضوع خبر واقعہ کی تحقیق ہے۔ لہٰذا خبر کی صحت اور ضعف پہچاننے کے طریقے اصولی طور پر استنباط واجتہاد کے جانچنے سے کافی مختلف ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبد الغفار حسن سے درخواست کرتے ہیں، جن کا مضمون ان گزارشات کا باعث بنا کہ وہ ان مسائل میں اپنے موقف کی وضاحت کریں، اگر وہ ان امور میں مولانا اصلاحی کے افکار کی حمایت کرتے ہیں تو اہل علم کے سامنے اپنے دلائل رکھیں اور اگر وہ انہیں صحیح نہیں سمجھتے تو ان سے اعلانِ برأت کریں تاکہ بات عام مسلمانوں پر واضح ہوجائے۔

۱۔مولانا امین احسن اصلاحی، مبادیٔ تدبر حدیث، باب اول و دوم خصوصاً ص ۱۹، ۲۸، ۳۸، ۴۱، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء ......مولانا امین احسن اصلاحی، مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۵۲، ۱۶۹ و مابعد، دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور، ۱۹۷۱ء......
مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد اوّل مقدمہ، ص ب و مابعد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۹۷۶ء
۲۔صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب، باب رغم من أدرک ابویہ، ص ۱۱۲۵، دارالسلام الریاض ۱۹۹۹ء
۳۔آلِ عمران ۳:۴۵
۴۔ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۴ ص ۳۵۸، دارالصادر، بیروت
۵۔اصلاحی، مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۲۸
۶۔مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۲۷
۷۔ایضاً: ص ۲۹
۸۔صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب لایشھد علی شھادۃ جور اذا اشھد، ص ۲۰۹، دارالسلام الریاض، ۱۹۹۹ء
۹۔مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۲۸
۱۰۔مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۲۸
۱۱۔مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۳۸ و مابعد
۱۲۔اصلاحی، مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۱۴۵، ۱۴۷
۱۳۔مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۱۴۸
۱۴۔السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۳ ص ۲۰۷، طبع تہران
۱۵۔امام شافعی، احکام القرآن، ج ۱ ص ۲۸ و مابعد، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۳۹۵ھ
۱۶۔امام ابن تیمیہ، اصولِ تفسیر (اردو ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی) ص ۸۷، مکتبہ سلفیہ لاہور، ۱۹۶۳ء
۱۷۔القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱ ص ۳۷ و مابعد، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۲ھ
۱۸۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱ ص ۳، سہیل اکیڈیمی لاہور ۱۹۷۲ء
۱۹۔آلوسی، روح لمعانی، ج ۱ ص ۶، مکتبہ امدادیہ، ملتان
۲۰۔ابن تیمیہ، اصول تفسیر، ص ۸۷
۲۱۔الشاطبی، الموافقات، ج ۴ ص ۲۰، دارالمعرفہ بیروت
۲۲۔راغب اصفہانی، مقدمہ تفسیر ص ۶۰۶، نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۳۔سنن دارمی، ۲۶ باب السنۃ قاضیۃ علی الکتاب، ج ۱ ص ۱۴۵ مطبعہ الاعتدال دمشق، ۱۳۴۹ھ
۲۴۔خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، ص ۱۶، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ
۲۵۔سنن دارمی، ج ۱ ص ۱۴۵
۲۶۔خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۱۶
۲۷۔العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۱۰ ص ۲۸۹، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۵ھ
۲۸۔الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۰۱، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۲ھ
۲۹۔تہذیب، ج ۱۱ ص ۲۶۸
۳۰۔الخزرجی، خلاصہ تذہیب الکمال، ص ۳۶۷، مطبع الخیریہ القاہرہ، ۱۳۲۲ھ
۳۱۔اصلاحی، مقدمہ تدبر قرآن، ص ح...... مبادیٔ تدبر قرآن، ص ۱۷۳ و مابعد
۳۲۔ابن تیمیہ، اصول تفسیر ص ۸۳، ۸۴
۳۳۔اصلاحی، تدبر قرآن، ج ۴، ص ۵۰۵ و مابعد
۳۴۔اصلاحی، تدبر قرآن، ج ۴، ص ۵۰۱ و مابعد
۳۵۔جاوید غامدی، میزان، ص ۱۴۳ و مابعد، دارالاشراق لاہور، ۱۹۷۵ء
۳۶۔سنن دارمی، ج ۱ ص ۱۴۵
۳۷۔النحل، ۱۶:۴۴، الجمعہ ۶۲/۲
۳۸۔محمد اسماعیل قریشی، ناموس رسولؐ اور قانون توہین رسالت، ص ۴۰۷، الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۹ء
۳۹۔مرزائیت کے متعلق پنڈت جواہر لعل نہرو کے جواب میں علامہ اقبال کا بیان، شعبہ اشاعت وتبلیغ لاہور، ۱۹۳۶ء

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر☆

مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریۂ حدیث

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے نظریۂ حدیث کا مطالعہ کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ حدیثِ رسول ﷺ کے احترام اور منکرین حدیث کے بارے میں مولانا مرحوم کا رویہ ایک آپ بیتی سے ملاحظہ فرمائیں: مجھے ستر کی دہائی کے شروع میں کافی عرصہ مولانا مرحوم کی خدمت میں استفادہ کے لیے جانے کا موقع ملتا رہا جبکہ وہ رحمان پورہ، لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ پھر ان کے رحمان آباد (مریدکے) منتقل ہوجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ ملاقات معطل ہوگیا تھا کہ ایک عرصہ بعد علم ہوا کہ مولانا تفسیر 'تدبر قرآن' مکمل کر کے لاہور کینٹ میں رہائش پذیر ہیں اور وہ 'خدمتِ حدیث' کا کوئی 'عظیم کام' کرنا چاہتے ہیں۔ میں ان دنوں رابطہ عالم اسلامی کانفرنس، مکہ مکرمہ سے واپس لوٹا تھا۔ اس کانفرنس میں خصوصی طور پر کرنل قذافی (صدر لیبیا) کی ہفوات متعلقہ سنتِ رسول ﷺ کا بڑا چرچا تھا جس میں شعائر حج وغیرہ کا مذاق اُڑانا بھی شامل ہے۔ اسی تاثر کو لیے ہوئے جب میں مولانا اصلاحی کی خدمت میں تفسیر قرآن کی تکمیل کی مبارک باد کہنے گیا تو ساتھ ہی ان کے آئندہ عزائم کے بارے میں کچھ کہنے کو دل چاہا۔ مولانا مرحوم کافی اونچا سنتے تھے لہٰذا چیخ چیخ کر اپنی بات سنائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نظریہ کے ساتھ تطبیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مثال دیتے ہوئے کہا کہ 'مارکس' کا نظریۂ اشتراکیت اس وقت مقبول ہوا جب اسے 'لینن' میسر آگیا۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مستشرقین کا نظریۂ 'انکارِ حدیث' جس کا پاکستان میں ترجمان مسٹر غلام احمد پرویز ہے، اسے 'قذافی' کی شکل میں اقتدار کی قوت سے نفوذ دینے والا بھی میسر آگیا ہے لہٰذا اب خدمتِ حدیث کا بڑا کام یہ ہوگا کہ مسٹر غلام احمد پرویز کے نظریات اور مغالطوں کا جواب دیا جائے جو آپ جیسا 'عالم دین' بخوبی کرسکتا ہے جبکہ آپ اب تفسیر قرآن کی خدمت سے بھی فارغ ہوچکے ہیں۔ میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ مولانا مرحوم کے احبابِ خاص کی ایک ٹولی وہاں پہنچ گئی۔ جس پر مولانا موصوف طیش میں آگئے اور مجھے مخاطب کر کے (میرے مشورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ میں اس (حدیث کی حمایت کا مشورہ دینے والے) کو کچلنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلے میں وہ چمک میں بہت کچھ کہہ گئے لیکن میں پہلے ہی اونچا بول کر کافی تھک چکا تھا اور یہ بھی میرے ذہن میں تھا کہ وہ یہ جلال اپنے معروف شاگردوں کے سامنے دکھا رہے ہیں لہٰذا کچھ کہے بغیر دل گیر اُٹھ کر چلا آیا اور رستے میں یہ سوچتا رہا کہ مجھے تو مولانا سے کافی حسن ظن تھا، اسی لیے مسٹر غلام احمد پرویز کے خلاف کام کرنے کی ترغیب دی۔ میں تو اب تک مولانا کے افکار کے بارے میں بھول میں ہی رہا۔ کیونکہ مولانا مرحوم مسٹر غلام احمد پرویز کے خلاف نہ صرف کوئی بات سن نہیں سکے بلکہ وہ ان لوگوں کا سر بھی کچلنے پر آمادہ ہیں اور اب خدمتِ حدیث کے نام پر 'تحریکِ اہل حدیث' کے خلاف پر تول رہے ہیں۔ بعد ازاں ایک عرصہ مولانا مرحوم کی خدماتِ حدیث اسی رنگ میں سامنے آتی رہیں اور دل پر پتھر رکھ کر ہم برداشت کرتے رہے۔ (ح۔ع۔م)

برصغیر پاک و ہند کے معروف دینی سکالر مولانا امین احسن اصلاحی بعمر ۹۴ سال ۱۵/ دسمبر ۱۹۹۷ء کو

☆ انچارج سیرت چیئر، اسلامک یونیورسٹی، بہاولپور

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لاہور میں انتقال فرما گئے۔آپ نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (صاحبِ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی) O جیسے ماہر اساتذہ سے مختلف علوم وفنون میں دَرک حاصل کیا۔مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی جیسے نامور لوگوں کے ساتھ سید مودودی کی رفاقت اختیار کی۔طویل عرصہ تک ان کے دستِ راست اور نائب امیر کے طور پر کام کیا۔ جماعت اسلامی سے جنوری ۱۹۵۸ء میں حتمی طور پر علیحدہ ہوگئے۔(۱)

بعدازاں آپ نے اپنے استادِ گرامی کی فکر کو آگے بڑھانا زندگی کا مشن قرار دیا اور باقی ماندہ عمر فکر فراہی کے پرچار میں گزاری۔اس کے لئے تدبرِ قرآن کی صورت میں ۸ جلدوں پر مشتمل اردو تفسیر عرصہ ۲۱ سال میں مکمل کی(۲)۔مبادیٔ تدبر قرآن اور مبادیٔ تدبر حدیث جیسی اُصولی، حقیقتِ دین جیسی نظریاتی، تزکیۂ نفس جیسی اِصلاحی، دعوتِ دین اور اس کا طریقہ کار جیسی تبلیغی و دعوتی، اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کی تدوین جیسی فقہی، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام اور قرآن میں پردے کے احکام جیسی معاشرتی اُمور سے متعلقہ کتب بطورِ یادگار چھوڑیں۔

آپ کا علمی مقام بلند اور عمر طویل تھی، اس لئے مختلف اسلامی موضوعات پر آپ کے کاموں کا سلسلہ بھی وسیع وعریض تھا۔ اس وقت آپ کے جملہ علمی کاموں کا جائزہ لینا ہمارا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے نظریۂ حدیث کے حوالے سے چند اُمور کی نشان دہی مطلوب ہے۔

قرآن مجید سے خصوصی شغف رکھنے اور مولانا فراہی سے علومِ قرآن میں خوب استفادہ کرنے کے بعد صاحبِ 'تحفۃ الاحوذی' شرح سنن ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ سے خصوصی استدعا کے ساتھ اصولِ حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور متن حدیث میں ترمذی شریف پڑھی(۳)۔ان کے اپنے الفاظ میں ''تاکہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ سیکھوں'' اور اس کے لئے روزانہ گھنٹوں کی پڑھائی کے علاوہ پیدل ۴ میل آنے جانے کا سفر بھی طے کرتے تھے۔(۴)

O شاگردانِ اصلاحی کا دعویٰ تو ایسا ہی ہے تاکہ علم حدیث میں ان کی مہارت مشہور محدث مبارکپوریؒ کے حوالہ سے ثابت کی جاسکے لیکن مولانا اصلاحی نے کئی مجالس میں ذکر کیا کہ وہ محدث مبارکپوریؒ کی شہرت کی بنا پر ان کے ہاں جاتے تو رہے لیکن ان سے بوجوہ متاثر نہ ہوسکے لہٰذا روزانہ کی طویل پیدل مسافت اور بلافائدہ محنت کے پیش نظر یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ یہ بات اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ اصلاحی صاحب کا سلسلہ تلمذ شرحِ ترمذی کی تکمیل کے بعد کا بیان کیا جاتا ہے حالانکہ محدث مبارکپوری شرحِ ترمذی کی تکمیل سے قبل ہی نابینا ہوگئے تھے۔ نیز مولانا اصلاحی کے نظریۂ حدیث کی رو سے تو اس شیخ سے روایت بھی جائز نہیں جس پر تلمیذ کو تفقہ حاصل نہ ہو۔گویا مولانا اصلاحی اپنے ہی نظریہ کی رو سے محدث مبارکپوری سے روایت بھی نہیں کرسکتے کجا کہ وہ تلمذ کو بطورِ سند پیش کریں۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدبرِقرآن سے فراغت پانے پر تدریس حدیث کا سلسلہ سالہا سال تک جاری رکھا۔اس میں موطأ ُامام مالک اور مسلم شریف مکمل پڑھائی جبکہ صحیح بخاری مکمل نہ کرسکے۔

حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ

مولانا امین احسن اصلاحی حدیثِ نبوی کے حوالے سے اصولِ حدیث اور محدثین کی کردہ کوششوں کو آنکھیں بند کرکے تسلیم کرنے والے بھی نہ تھے☆ لیکن منکرین حدیث کی طرح کھل کر اُصول حدیث کا ردّ بھی نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اُصولِ حدیث واخبارِ آحاد کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی مشہور اور متواتر احادیث کا انکار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی مشہور کتاب 'اسلامی قانون کی تدوین' میں لکھتے ہیں

”نمازوں کے اوقات کیا کیا ہیں؟ نمازیں کتنی بار پڑھی جائیں اور کس طرح پڑھی جائیں؟ مختلف چیزوں پر زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو؟ روزں کی عملی شکل وصورت کیا ہے؟ حج کے مناسک کیا ہیں؟ اسلامی معاشرے میں کیا چیزیں امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی نظام کی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ اور اس طرح کے جتنے مسائل بھی ہیں، ان میں سے کون سی چیز ہے جو اُمت کے عملی تواتر نے ہم تک منتقل نہیں کی ہے۔ یہ ساری چیزیں ہم نے صرف حدیث کی کتابوں ہی سے نہیں جانی ہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مختلف طریقوں سے اور اتنے مختلف طریقوں سے جانی ہیں کہ ان کا انکار کرنا یا ان کو مشتبہ اور مشکوک ٹھہرانا بالکل ہدایت کا انکار کرنا اور ایک ثابت اور قطعی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ حدیث کی کتابوں کا احسان یہ ہے کہ ان کے ذریعے یہ چیزیں تحریر میں بھی آگئیں اور اس طرح تحریر میں آگئیں کہ انسانی ہاتھوں سے انجام پاتے ہوئے کسی کام میں زیادہ سے زیادہ جو اِحتیاط ممکن تھی، وہ انکے ضبط وتدوین کے معاملے میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔“(۵)

جب انکار کرنے پر آتے ہیں تو مشہور ومتواتر روایات کا اِنکار بھی کرجاتے ہیں۔ مثلاً احادیثِ رجم جو کہ ۳۴ صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں اور ان پر کثرتِ طرق وصحتِ مضمون کی بنا پر حافظ ابن حجر، امام شوکانی،

☆ محدثین کی مساعیٔ جمیلہ کو ان کے فن ہی کی روشنی میں آگے بڑھانا ایک مستحسن امر ہے بلکہ فنی مہارت سے محدثین کے کام پر تنقید بھی بری نہیں مثلاً امام دارقطنی نے بخاریؒ ومسلمؒ جیسے کبار محدثین کی کئی احادیث کو ان کے مجوزہ معیار سے کمتر قرار دیا ہے لیکن کسی نے انہیں منکرین حدیث میں شامل نہیں کیا کیونکہ یہ فنی تحقیق کا اختلاف تھا جس میں دو رائے ہوسکتی ہیں۔ بلکہ محدثین کی یہی تنقیدی بحثیں بعد میں صحیحین کی 'تلقی بالقبول' کا باعث بنیں کہ اتنے بڑے محدثین نے انہیں کسوٹی پر بار بار پرکھا، بالآخر ان تالیفات کا اعلیٰ معیار ہی راجح قرار پایا لیکن اصلاحی صاحب کی احادیث پر تنقید فن حدیث کی کسی مہارت کی بنا پر نہیں بلکہ بے اصول فقہ جسے وہ 'تدبر' کا نام دیتے ہیں، کی برتری کے احساس سے ہوتی ہے حالانکہ فن حدیث 'خبر واقعہ' کی تحقیق سے متعلق ہے جبکہ فقہ استنباط واجتہاد کے اصولوں پر مبنی ہوتی ہے جو دو مختلف میدانِ علم ہیں۔ مولانا اصلاحی کی بنیادی غلطی ہی یہ ہے کہ وہ اصولِ حدیث اور اُصولِ فقہ کو دو فن ہی نہیں مانتے جیسا کہ وہ اکثر امام شافعی کے 'رسالہ' پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ثناء اللہ پانی پتی، امام رازی، امام نووی، حافظ ابن کثیر وغیرہ میں سے بعض نے صحت اور بعض نے متواتر کا حکم لگایا ہے۔[٦]

مولانا اصلاحی کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اَحادیث سے بُعد کی راہ دکھلانا

مولانا کے خیال میں سنت سے مراد انبیا سے صرف ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے۔اس پر آپؐ نے بار بار عمل کیا ہو،جس کی آپؐ نے محافظت فرمائی ہو،جس کے حضورﷺ عام طور پر پابند رہے ہوں۔جبکہ حدیث ہر وہ قول و فعل یا تقریر (برقرار رکھنے کیلئے آپ کی خاموشی) ہے جس کی روایت نبیﷺ کی نسبت کیساتھ کی جائے۔[٧] جبکہ محدثین اور فقہا کے ہاں سنت اور حدیث باہم مترادف ہیں، چنانچہ الجزائری لکھتے ہیں

أما السنة فتطلق على الأكثر على ما أضيف إلى النبی ﷺ من قول أو فعل أو تقرير فهی مرادفة للحديث عند علماء الأصول[٨]

''سنت کا اِطلاق زیادہ تر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت کی طرف ہو،''قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو'' ......علماءِ اُصول کے ہاں یہ حدیث کے مترادف ہے۔''

صاحبِ مسلم الثبوت کے نزدیک

السنة لغةً العادة وههنا ما صدر عن رسول اللهﷺ غير القرآن من قول أو فعل أو تقرير كذا فی شرح المختصر[٩]

''لغت میں سنت کے معنی عادت کے ہیں لیکن یہاں وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے قرآن کے علاوہ قول،فعل یا تقریر کی صورت میں مروی ہو(مراد ہے)۔''

امام شاطبی نے سنت کونقل سے مخصوص کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبیﷺ على الخصوص مما لم ينص عليه فی الكتاب العزيز[١٠]

''سنت کے لفظ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو خاص طور پر وہ چیز جس پر کتابِ عزیز کی نص نہ ہو۔''

اسی طرح صاحبِ نورالانوار لکھتے ہیں

السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى أقوال الصحابة وأفعالهم[١١]

''سنت کا اِطلاق قولِ رسول، آپؐ کے فعل اور آپؐ کی خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہؓ کے اقوال اور افعال پر بھی ہوتا ہے۔''

اِمام شوکانی فرماتے ہیں:

"فأما معناها شرعا فی اصطلاح أهل الشرع فهی قول النبی وفعله وتقريره[١٢]

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا شرعی معنی نبی ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے۔''

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں: فهي قول النبي وفعله و تقريره (۱۳)

''سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔''

ابن ملک کی کتاب 'شرح منار الاصول' کے حوالے سے فرماتے ہیں:

إن السنة تطلق على قول رسول الله وفعله و تقريره (۱۴)

''سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔''

مذکورہ بالا تعریفوں کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث کی کتب میں بھی سنت کو حدیث کے مترادف ہی بیان کیا گیا ہے اور سنت کو آپ کے مواظبت کے ساتھ اختیار کردہ اعمال کے دائرے تک سکیڑا نہیں گیا ہے۔ کیونکہ اس سے سنت کا دائرہ بالکل محدود ہو کر رہ جائے گا اور احادیث کا عظیم ذخیرہ اس شرط کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں سنت کو حدیث کے مترادف مفہوم میں لیتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي نامی کتاب لکھ کر حدیث کا ہی دفاع کیا ہے۔☆ اسی طرح پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے 'سنت خیر الانام' نامی کتاب میں بھی حدیث کا ہی دفاع کر کے سنت اور حدیث کو باہم مترادف گردانا ہے۔ مولانا مودودی نے سنت کی آئینی حیثیت میں بھی حدیثِ نبوی کو ہی زیر بحث بنا کر اس کی حجیت کے بارے میں طول وطویل بحثیں کی ہیں۔

مولانا اصلاحی 'مبادیٔ تدبر حدیث' میں لکھتے ہیں:

''سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے جن میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا بلکہ اُمت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے، اسی طرح سنت اُمت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپؐ

☆ کبار محدثین نے اپنی کتب کے نام سنن ترمذی اور سنن ابوداود رکھ کر ان میں تمام اَحادیث ہی جمع کی ہیں۔ اگر ان کے نزدیک حدیث وسنت میں کوئی فرق ہوتا تو وہ کم از کم ان کتب کا نام 'سنن' پر نہ رکھتے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث جمع کی ہیں جو عمل کے علاوہ آپ کے قول اور تقریرات پر بھی مبنی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسی روایات ہیں جن پر نبی کریم نے تکرار کے ساتھ عمل نہیں کیا۔ دراصل سنت کے ساتھ یہ شرط لگانا کہ وہ ایسا معاملہ ہو جس پر آپ نے ہمیشگی کی ہو، اس پر بار بار عمل کیا ہو، نری جہالت ہے۔ نبی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کسی امر کو شریعت باور کرانے کے لئے اس کو بار بار کرے۔ شانِ نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ جس کام کو ایک بار بھی بجالائیں، اُمتی کے لئے وہ شرع قرار پا جائے۔ مثال کے طور پر نبی کریم نے زندگی میں صرف ایک حج کیا، لیکن ایک بار کرنے سے ہی اُمت کے لئے وہ شریعت قرار پا گیا۔ سنت کے لئے تکرار کی شرط قرار دینے والے نامعلوم حج کو کس بنیاد پر سنتِ نبوی قرار دیتے ہیں؟ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فبہا اور دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہرحال اُمت کے عملی تواتر کو حاصل ہوگی۔ اگر کسی معاملے میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی اور توجیہ نہیں ہوسکے گی تو بہرحال انہیں مجبوراً چھوڑا جائے گا، اس لئے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے بالمقابل قطعی ہے☆''۔ (۱۵)

مولانا اصلاحی کی جمہور سے ہٹ کر سنت کی اپنی وضع کردہ تعریف سے قطع نظر، سنت و حدیث کا باہم بیان کردہ فرق ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ وہ سنت کو قطعی بلکہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن کی طرح یقینی مانتے ہیں اور احادیث کو ظنی کہہ کر ردّ کر جاتے ہیں حالانکہ سنت یا حدیث اپنے مصدر کے اعتبار سے دونوں ہی حجت ہیں۔ ہم تک پہنچنے کے ذرائع کی صحت کی بنا پر ایک کی حجیت میں اضافہ نہیں ہوسکتا اور ذرائع کے ضعف کی وجہ سے دوسرے کی حجیت ختم نہیں ہوسکتی کیونکہ دونوں کا صدور اس ہستی ﷺ سے ہوا ہے جس کا دین کے بارے میں ہر قول وحی اور ہر فعل اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ ذرائع میں تواتر اور عدم تواتر کی بنا پر دونوں میں ظنیت وقطعیت کے فرق کا پہاڑ کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔ O

☆ مولانا اصلاحی نے سنت کی تعریف میں تعامل امت کو شامل کرکے اسے 'وحی الٰہی' سے خارج کردیا ہے کیونکہ وحی تو رسول اللہ ﷺ کے وصال پر منقطع ہوچکی ہے۔ جہاں تک تعامل امت کا تعلق ہے، اسے تواتر کی اصطلاح سے بیان کرنا ہی فنی طور پر درست نہیں کیونکہ قرآن ہو یا حدیث، ان میں تواتر کی اصطلاح 'خبر' کے حوالہ سے استعمال ہوتی ہے۔ خبر اگر اسوۂ رسولؐ کی روایت سے متعلق ہو تو حدیث اور اگر کلام اللہ (الفاظِ الٰہی) کی ہو تو اسے قرآن کہتے ہیں۔ دراصل مولانا اصلاحی اجماع اور خبر متواتر کے التباس کا شکار ہیں اور شریعت کے جن اجمالی ڈھانچوں کو وہ عملی تواتر (ان کی نام نہاد اصطلاح 'سنت') سے تعبیر کرتے ہیں وہ درحقیقت شریعت کے بنیادی امور پر اجماع ہے۔ جس کا انکار ان لوگوں نے بھی نہیں کیا جو فروعات پر اجماع کے منکر ہیں۔ ملاحظہ ہو البرهان في أصول الفقه للجويني وغیرہ (محدث)

O اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ثبوتِ واقعہ، صدورِ واقعہ سے خارجی شے ہے جبکہ اصطلاح سنت کا تعلق صدورِ نبوت سے ہے۔ اگر خارجی ثبوت کو اصطلاح میں دخیل بنا دیا جائے تو ایک ہی شے مثلاً صحابہ کے نزدیک سنت ہوگی اور بہت بعد میں آنے والوں کے لئے (مولانا کی اصطلاح کے مطابق) حدیث۔ گویا خیر القرون کے لئے شریعت الگ اور بعد والوں کے لئے اور ہوگئی۔ غور فرمائیے: محدثین نے خیر القرون میں صحابہ اور تابعین کے قول وفعل کو بھی حدیث موقوف اور مقطوع کا نام دیا ہے تاکہ حدیث کی اصطلاح سے اس کا شرعی مقام ومرتبہ ملحوظ رہے کہ ایسی بہت سی احادیث اکثر اسوۂ رسول کی توجیہ وتعبیر ہی ہوتی ہیں۔ لیکن ثبوت نسبت کے اعتبار سے انہیں مرفوع حدیث سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ تعارض کے آخری حل کے طور پر مرفوع صحیح حدیث کو ترجیح دی جاسکے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا کے ہاں اُصولِ تفسیر میں سنتِ متواترہ اور احادیث کا مقام

'مبادیٔ تدبر قرآن' میں مولانا نے تفسیر کے چار قطعی اُصول بیان فرمائے ہیں:

(۱) ادبِ جاہلی (۲) نظم قرآن

(۳) تفسیر القرآن بالقرآن (۴) سنتِ متواترہ[۱۶]

اور اس کے بعد ظنی ماخذ کے طور پر اَحادیث کو قبول کرتے ہیں[۱۷] مولانا کے ہاں عربیت اور ادبِ جاہلی کے مقابلے میں نہ صرف احادیث☆ بلکہ سنتِ متواترہ بھی کمتر ہے اور ان کی قائم کردہ ترتیب میں سنت چوتھے نمبر پر ہے اور ادبِ جاہلی پہلے نمبر پر۔ نہ جانے قرآن فہمی کے چالیس سال کی طویل مدت میں مولانا آیت ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[۱۸] کا مفہوم کیا سمجھے ہیں؟

موطأ امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو مولانا نے 'مبادیٔ تدبر حدیث' میں اُمہاتِ فن میں شمار کیا ہے۔[۱۹] اور رجم کے متعلق ان میں یہ روایت موجود ہے:

> عن ابن عباس أنه قال سمعت عمر بن الخطاب يقول الرجم فی كتاب الله حق على من زنى من الرجال والنساء إذا أحصن إذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف[۲۰]
>
> ''حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رجم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں برحق ہے جو شخص بھی زنا کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو جبکہ گواہ قائم

☆ مولانا کو اصل میں روایت کے نام سے چڑ ہے۔ حدیث کو سب سے آخر میں لانے کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ روایت میں غلطی کا اِمکان ان کے ذہن میں ایسا سمایا ہے کہ نکل نہیں رہا۔ مولانا جس ادبِ جاہلی کو سب سے پہلے درجے میں لاتے ہیں، یہ مولانا کی جاہلی ادب سے مفرطانہ عقیدت کا ہی شاخسانہ ہے کہ وہ اسے سب سے برتر قرار دے کر منصبِ رسالت کے انکار سے بھی نہیں چوکتے۔ نامعلوم ادبِ جاہلی انہیں اتنا مرغوب کیوں ہے، کیا ادبِ جاہلی کے اشعار کا استنادی درجہ حدیث سے برتر ہے اور ان کی روایت میں حدیث سے زیادہ احتیاط برتی گئی ہے؟ حالانکہ وہ ادبِ جاہلی جس کی نہ روایت متصل ہے، نہ اس کے راوی ثقہ۔ نہ ہی وہ علماءِ امت کی اس قدر کڑی نگرانی اور چھان بین کے مراحل سے گزرا ہے، آخر کس برتے پر حدیث سے زیادہ مستند ہے؟

چونکہ حدیث کا موقع محل تفسیر قرآن میں غائب کردینے کے بعد ان اشعار سے ہر طرح کی گنجائش مل سکتی ہے، اور ائمہ کے باہمی فقہی اختلافات کی بنا پر ان سے من مانی دلیل لی جاسکتی ہے، نیز دورِ حاضر کے بہت سے علماء کو ان کا اس قدر وسیع علم اور ذوق نہیں ہے کہ ان کی بنا پر ہونے والے استدلال کا وہ جائزہ لے سکیں۔ علاوہ ازیں اس ادب کے راویوں کے حالاتِ زندگی صفحۂ قرطاس پر اس طرح میسر نہیں کہ ان میں ردّ وقبول کی بحث کی جاسکے۔ صرف عربی زبان کی مہارت کے زور پر تفسیر اور تفسیر صحابہ کے تقابل کے مسئلے پر تفصیل کے لیے محدث روپڑی کی پہلی تصنیف ''درایتِ تفسیری'' مطبوعہ ۱۳۳۳ھ کا مطالعہ مفید رہے گا (محدث)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں یا عورت پر حمل ظاہر ہو جائے یا زانی اقرار کر لے۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا

إن الله بعث محمدًا ﷺ بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان مما أنزل آية الرجم فقرأنا ها وعقلناها ووعيناه رجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده [۲۱]

"اللہ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل کی جو اُتارا گیا اس میں آیت رجم تھی۔ہم نے اسے پڑھا، سمجھا اور یاد کیا۔رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور بعد میں ہم نے رجم کیا۔"

جبکہ مولانا امین احسن اصلاحی کے اس روایت کے بارے میں تاثرات دل پر جبر کر کے نقل کئے دیتا ہوں اور آپ بھی دل کے جبر کے ساتھ پڑھتے جائیں، 'فرماتے' ہیں:

"اس روایت پر غور کیجئے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے" ...... آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: "بہرحال یہ روایت بالکل بے ہودہ روایت ہے۔" [۲۲]

حضرت ماعزؓ کے رجم کے حوالے سے من گھڑت روایتوں اور بلا دلیل فیصلوں سے انہیں ایک نہایت بدخصلت غنڈہ، شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرنے والا بکرا یا سانڈ قرار دے دیا ہے۔[۲۳] حالانکہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ ان کی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ما توبة أفضل من توبة ماعز انه لينغمس فى أنهار الجنة "ماعز کی توبہ سے بڑھ کر کوئی توبہ نہیں ہے وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔" ......اسی طرح آپؐ نے فرمایا: لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم "اس نے ایسی توبہ کی ہے، اگر ایک قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو۔" [۲۴] انصاف سے دیکھئے کہ احادیثِ رسول تو ان کے حسن خاتمہ کی گواہی دے رہی ہیں اور مولانا انہیں بدخصلت غنڈہ 'فرماتے' ہیں!!

نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر

جمہور محدثین وفقہا کے ہاں حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے لیکن مولانا کے خیال میں

"قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔بعض فقہا نے حدیث کو بھی قرآن کے لئے ناسخ مانا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں۔" [۲۵]

جبکہ نواب صدیق حسن نے 'حصول المامول من علم الاصول' میں لکھا ہے کہ

يجوز نسخ القرآن بالسنة المتواترة عند الجمهور وهو مذهب أبى حنيفة وعامة المتكلمين" [۲۶]

"جمہور کے نزدیک قرآن کا نسخ سنت متواتر سے جائز ہے۔یہ ابوحنیفہ اور عام متکلمین کا مذہب ہے"

اسی طرح شیخ زرقانی نے مناهل العرفان میں طویل کلام کے بعد فیصلہ دیا:

هذا العرض يلخص لنا أن نسخ القرآن بالسنة لامانع يمنعه عقلا وشرعًا [۲۷]

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اس کا خلاصہ ہے کہ سنت سے قرآن کے نسخ کے لئے کوئی شرعی یا عقلی مانع نہیں ہے☆ ۔''

لیکن مولانا اصلاحی کی رائے جمہور کے خلاف ہے کہ وہ حدیث وسنت سے قرآن مجید کا نسخ جائز نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن کی طرح حدیث وسنت بھی منزل من اللہ اور وحی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے ناسخ ہو سکتے ہیں۔لیکن مولانا اصلاحی نے کھلے لفظوں میں کہیں حدیث وسنت کا منزل من اللہ ہونا بیان نہیں فرمایا اور قرآن کی سنت سے منسوخی کے مسئلہ میں جمہور سے ہٹ کر مسلک اختیار کیا ہے جس سے ظاہری طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سنت منزل من اللہ ہی نہیں ہے، اسی لئے ناسخ قرآن نہیں ہوسکتی حالانکہ حدیث وسنت کا منزل من اللہ ہونا قرآن سے واضح ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى﴾ (٢٨)

''وہ خواہش سے کلام نہیں کرتا وہ تو وحی ہے جو کی جاتی ہے۔''

منکرین حدیث کے الزامات سے مرعوب تجدد زدہ اذہان کی پریشانی تو بجا ہے لیکن مولانا جیسے عالم دین سے جمہور کی روش سے ہٹ کر مسلک اختیار کرنا بڑا حیران کن ہے حالانکہ مولانا کے ہاں پائی جانے والی تواترعملی کی توضیح اور جمہور کی روش تقریباً مترادف ہیں پھر بھی اس سے انکار چہ معنی دارد!؟

مولانا اصلاحی اور احادیث کی تشریح

مولانا احادیث کی تشریح بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔حدیث أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله" میں الناس سے مراد صرف 'بنی اسمٰعیل' لیتے ہیں۔(٢٩) کتاب الایمان میں امام بخاریؒ نے باب ﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ لاکر بعدازاں یہ حدیث باسند روایت کی ہے:

عن ابن عمر أن رسول اللهﷺ قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لاإله إلا الله وأن محمدًا رسول اللهﷺ ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فإذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم إلا بحق الاسلام وحسابهم على الله (٣٠)

''حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور

☆ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ کا انداز زیادہ مناسب ہے یعنی سنت کو نہ قرآن منسوخ کرتا ہے اور نہ سنت قرآن کی ناسخ ہوتی ہے گویا دونوں کا باہمی تعلق الفاظ وتبیان کا ہے، تضاد کا نہیں کہ ایک کو چھوڑنے اور دوسرے کو لینے کی بات کی جائے۔اگرچہ اکثر لوگ خبر واحد کے قرآن کے ناسخ نہ ہونے کی دلیل امام شافعیؒ کا مذکورہ بالا آدھا قول (سنت قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتی) پیش کرتے ہیں حالانکہ امام شافعی کی یہ مراد ہی نہیں بلکہ وہ اس رویہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وحی کے ظاہری تعارض کے وقت اصل مطابقت ومفاہمت ہے۔ترجیح تو مجبوری ہے جو مجتہد کے ناقص فہم کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں۔ جب وہ یہ کام کریں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال بچالیں گے سوائے اسلام کے حق کے اوران کا حساب اللہ پر ہوگا۔''

اس حدیث کی شرح میں مولانا امین احسن اصلاحی "الناس" سے مراد صرف بنواسماعیل لیتے ہیں جبکہ شارحین حدیث میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس سے مراد 'مشرکین' لیا ہے۔(۳۱)

امام نوویؒ نے شرح مسلم، کتاب الایمان میں باب الأمر بقتال الناس حتی يقولوا لا إله الله محمد رسول اللهﷺ ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة ويؤمنوا بجميع ما جاء به النبیﷺ وأن من فعل ذلك عصم نفسه وماله إلا بحقها ووكلت سريرته إلى الله، وقتال من منع الزكاة أوغيرها من حقوق الاسلام و اهتمام الامام بشعائر الاسلام (۳۲) عنوان قائم کرکے اس میں اس حدیث کے ساتھ اس جیسی چار اور حدیثیں مختلف سندوں سے بیان کی ہیں۔ پھر اس کی شرح میں لکھا ہے: قال الخطابی: إن المراد بهذا أهل الاوثان دون أهل الكتاب لأنهم يقولون لا إله إلا الله"(۳۳)

''خطابی نے کہا: اس سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اہل کتاب نہیں کیونکہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں''

تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی

(۱) سورۂ بقرۃ کی آیت ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾(۳۴) ''اگر وہ طلاق دے دے تو اس کے لئے وہ اس کے بعد حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے'' سے مولانا اِصلاحی صرف عقدِ نکاح مراد لیتے ہیں، فرماتے ہیں: ﴿حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ میں نکاح کا لفظ ہمارے نزدیک عقدِ نکاح ہی ہے جن لوگوں نے اس کو 'وطی' کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے ایک غیر ضروری تکلف کیا ہے۔(۳۵) جبکہ حضرت رفاعہ القرظی کی حدیث میں بخاری شریف میں صاف لفظ ہیں: لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك(۳۶) ''نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ آپ اس کا مزہ چکھیں اور وہ آپ کا مزہ چکھے۔'' جمہور کے نزدیک بھی عسیلة سے مراد 'جماع' ہے، قال الجمهور: العسيلة كناية عن المجامعة"(۳۷)

''جمہور کہتے ہیں: عسیلة مجامعت سے کنایہ ہے''۔

(۲) اسی طرح سورۂ کہف میں ہے: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا﴾(۳۸) ''انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا''۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:

''یہاں 'عبدٌ' سے مراد حضرت خضر ہیں اور جن حدیثوں میں ان کا نام خضر آیا ہے چونکہ ان

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیثوں کے انکار کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں، اس وجہ سے یہی نام اختیار کرتے ہیں''۔ (۳۹)

لیکن اس واقعہ سے قبل وہ خود فرماتے ہیں کہ

''اس میں تربیتی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا یہی مقصد تھا۔ لیکن بعض مفسرین نے معلوم نہیں کہاں سے یہ فضول سی بات لکھ دی کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ ترنگ میں آکر کسی دن یہ کہہ بیٹھے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطورِ تادیب وتنبیہ ان کو اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان سے بھی بڑا ایک عالم موجود ہے''۔ (۴۰)

میرے خیال میں مندرجہ بالا بات خود مولانا صاحب نے ترنگ میں آکر فرمائی ہے جبکہ مفسرین نے یہ بات صحیح احادیث سے لیہے جس کا ذکر خود انہوں نے فرمایا کہ حضرت خضرؑ کا نام احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ مولانا کی کتاب 'مبادیٔ تدبر حدیث' میں اُمہاتِ فن میں صحیح بخاری کا نام بھی شامل ہے۔ اس میں یہ حدیث موجود ہے:

حدثنا الحميدي قال حدثنا سفيان قال حدثنا عمرو بن دينار قال أخبرنى سعيد بن جبير قال قلت لابن عباس أن نوفا البكالى يزعم أن موسى صاحب الخضر ليس هو موسى صاحب بنى إسرائيل فقال ابن عباس: كذب عدو الله حدثنى أبى بن كعب أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن موسى قام خطيبا فى بنى اسرائيل فسُئل أى الناس أعلم؟ فقال: أنا فعتب الله عليه إذا لم يرد العلم إليه فأوحى الله إليه أن لى عبدا بمجمع البحرين هو أعلم منك قال موسىٰ يارب فكيف لى به قال تأخذ معك حوتا فتجعله فى مكتل فحيث ما فقدت الحوت فهو ثم، فأخذ حوتا فجعله فى مكتل ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع ابن نون حتى إذا أتيا الصخرة وضعا رؤسهما فناما واضطرب الحوت فى المكتل فخرج منه فسقط فى البحر فاتخذ سبيله فى البحر سربا وامسك الله عن الحوت جرية الماء (۴۱)

''عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے مجھے بتایا کہ میں نے ابن عباس سے کہا: نوف بکالی کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ صاحبِ خضر، بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا، مجھے اُبی بن کعب نے بیان کیا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے: حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انہوں نے کہا میں، اللہ تعالیٰ نے اُن کو عتاب فرمایا، جب انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہ کیا۔ ان کی طرف وحی کی گئی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین کے مقام پر ہے، وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ!

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان سے کیسے ملوں، فرمایا: آپ ٹوکری میں ایک مچھلی ساتھ لے کر جائیں جہاں مچھلی گم ہو جائے، وہاں وہ ہوگا۔ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے مچھلی لی اور اس کو ٹوکری میں رکھا اور چلے گئے اور ان کے ساتھ یوشع بن نون تھے۔ جب چٹان کے پاس آ گئے تو دونوں نے اپنے سر ٹیک کر سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں گر گئی، اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنا لیا۔

(۳) اسی طرح آنحضرت ﷺ کے متعلق اِرشاد ربانی ہے ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (۴۲) ''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔'' اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ (۴۳) ''اے ہمارے ربّ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے۔'' ان آیات میں حکمت سے مراد کیا ہے، اس بارے میں مولانا کا خیال ملاحظہ ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

''تیسری چیز تعلیم حکمت ہے، حکمت کے متعلق ایک نہایت ہی اہم سوال یہ ہے کہ حکمت قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ کتابِ الٰہی جس طرح آیات اللہ اور اَحکام پر مشتمل ہے، اس طرح حکمت پر بھی مشتمل ہے لیکن ہمارا یہ دعویٰ ان لوگوں کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں (۴۴) پھر لکھتے ہیں:

''لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے۔''(۴۵)

بعد ازاں مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال کرتے ہیں (۴۶) جبکہ اُمت کے اکثر علماء و محدثین اس سے حدیثِ رسولؐ مراد لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اِمام شافعیؒ قرآنِ مجید میں کتاب کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آیا ہے، ان سات آیات کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة فسمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول الحكمة سنة رسول الله (۴۷) ''اللہ نے کتاب کا ذکر فرمایا وہ قرآن ہے۔ حکمت کا ذکر فرمایا میں نے قرآن کے معتبر عالموں سے سنا، وہ فرماتے تھے: حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔'' اسی طرح امام شافعیؒ نے اپنی دوسری کتاب 'الام' میں بھی حکمت سے مراد 'سنت' ہی لکھا ہے۔(۴۸) اسی طرح ابن عبدالبر بھی قتادہ اور حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد حدیث نبویؐ ہے۔ (۴۹)

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جہاں عام محدثین، مفسرین فقہاء اور علماء حکمت سے مراد 'حدیث' لیتے ہیں وہاں ان کا نقطہ نظر ان سے الگ ہے۔

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبادیٔ تدبر قرآن میں تفسیر کے چار قطعی مآخذ لکھ کر بعد ازاں فرماتے ہیں:

''اب میں آپ کے سامنے تفسیر کے ظنی ماخذوں کی بابت عرض کروں گا۔ ظنی سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر ہر حال میں پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے اندر چونکہ ظن اور شبہ کو دخل ہے، اس لئے ان کو قرآن کی تفسیر میں وہیں تک دخیل بنایا جائے گا جہاں تک وہ قرآن سے موافقت کریں۔ تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث اور آثارِ صحابہ ہیں۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو یہی اہمیت حاصل ہوجاتی جو اہمیت سنتِ متواترہ کی بیان ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اِطمینان نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں''۔ (۵۰)

مولانا نے اپنے ماخذِ تفسیر میں حدیث کو ظنی حیثیت دی ہے۔ ان کے ہاں 'ظن' کی حیثیت 'یقین' کی نہیں حالانکہ قرآن میں کئی جگہ لفظ 'ظن' یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اہل لغت نے بھی یقین کے معنوں میں استعمال کیا ہے جبکہ ان کے خیال میں وہم اور شک کے معنوں میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: احادیث کو 'ظنی' بھی کہتے ہیں۔ (۵۱)

تفسیر تدبر قرآن میں احادیث سے استفادہ

دوسری طرف مولانا نے اپنی تفسیر کی چھ جلدوں میں جو کل احادیث نقل کی ہیں، ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ پوری تفسیر میں کتبِ حدیث میں سے صرف بخاری، مسلم اور ترمذی شریف کا نام گنتی کے چند مقامات پر پایا جاتا ہے:

تفسیر تدبر قرآن کی جلد اول کے ۸۳۶ صفحات ہیں جبکہ ان میں سترہ احادیث لکھی ہیں۔ ان میں صرف ایک جگہ صحیحین (۵۲) ایک جگہ صرف مسلم (۵۳) اور صرف ایک مقام پر ترمذی شریف کا نام ہے۔ (۵۴) ...... جلد دوم ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں دس احادیث ہیں اور ۹ احادیث کتاب کے نام کے بغیر درج کی ہیں، صرف ایک جگہ صحیح بخاری کا نام ہے۔ (۵۵) ...... جلد سوم ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں چھ احادیث بغیر حوالہ کے درج ہیں۔ دو حدیثیں مکرر لکھی گئی ہیں گویا کل چار احادیث جلد سوم میں ہیں۔ (۵۶) ...... جلد چہارم کے ۸۶۶ صفحات میں صرف ایک حدیث نقل کی ہے۔ (۵۷) ...... جلد پنجم کے ۶۲۷ صفحات میں صرف سات احادیث نقل کی ہیں۔ صرف صحیح بخاری کا نام دو جگہ پر ہے اور کسی حدیث کی کتاب کا نام نہیں ہے۔ (۵۸) ...... جلد ششم کے ۶۴۶ صفحات ہیں جن میں کل چھ احادیث لکھی ہیں۔ (۵۹)

گویا چار ہزار آٹھ سو ستر (۴۸۷۰) صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں گنتی کی کل ۴۰ / احادیث ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن دیگر مصادر کی بھرمار ہے جاہلی ادب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اہل لغت کی طرف بھی کافی رجحان ہے لیکن مولانا کی حدیثِ نبوی سے اس قدر بے اعتنائی کی سمجھ نہیں آتی۔

اِن تمام باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قطعی طور پر حدیث کا انکار نہیں کرتے، بلکہ بعض اوقات فتنہ انکار حدیث کا ردّ بھی کرتے ہیں لیکن انکے نظریہ سے انکارِ حدیث کے فتنہ کو تقویت ملتی ہے☆ اور بعض مقامات پر ان سے حدیث کے معاملہ میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔ رجم کی متواتر احادیث کے متعلق ان کے بیانات محدثین کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہیں۔ اپنی تفسیر میں مولانا احادیث سے بڑھ کر ادبِ جاہلی اور لغت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس بات کا کوئی مسلم سکالر انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کی تشریح جو آنحضرت ﷺ نے کی ہے وہ باقی سب لوگوں سے مقدم ہے۔ تفسیر کے موضوع پر کتبِ احادیث میں کافی مواد موجود ہے لیکن مولانا نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

حوالہ جات

۱۔(تدبر، لاہور شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱، مقالہ نگار: خالد مسعود، علم وعرفان کے ماہ کامل کا غروب)

۲۔تکبیر، ج ۱۹، شمارہ نمبر ۵۲،۷۔ ۱۹ تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء، صاحبِ تدبر قرآن امین احسن اصلاحی رخصت ہوئے، مقالہ نگار نصر اللہ غلزئی، ص ۴۷

۳۔امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ۱، ص ۶، (فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۳۔۱۹۷۷ء)

۴۔امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، (فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع اول، ۱۹۸۹ء) ص ۱۴

۵۔امین احسن اصلاحی، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۶۸، بحوالہ حدرجم اور اس کی شرعی حیثیت، ص ۴۸۔۵۹

۶۔حافظ صلاح الدین یوسف، حدرجم اور اس کی شرعی حیثیت (مکتبہ السّلفیہ لاہور) ص ۱۲ تا ۴۸

۷۔ترجمان القرآن، لاہور اکتوبر ۱۹۵۵ء ص ۱۳۷

۸۔الجزائری، طاہر بن صالح بن احمد، توجیہ النظر الی اصول الاثر (دار المعرفۃ بیروت) ص ۳

☆ مولانا نہ صرف حدیث کی اِصطلاح سنت سے الگ کرکے انکارِ حدیث کے دروازے کھولتے ہیں بلکہ سنت کی تعریف میں تعامل اُمت شامل کرکے اسے بھی 'وحی' نہیں مانتے۔

جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا سنت یا حدیث وحی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم سنت یا حدیث کو حجت مانتے ہیں، اس طرح وہ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ عام علماء امت کی طرح حدیث وسنت کی حجیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ سنت وحدیث کو وحی نہیں مانتے کیونکہ بہت سی چیزیں وحی نہ ہونے کے بغیر بھی حجت تو ہوتی ہیں۔ جیسے والدین کی اطاعت، اولی الامر کی اطاعت، فریقین کے لیے قاضی کا فیصلہ وغیرہ۔ یعنی حجت ماننا 'وحی' ماننے کو مستلزم نہیں ہے۔ اسی لئے ان سے یہ سوال آج بھی باقی ہے کہ کیا وہ سنت یا حدیث کے وحی ہونے کے قائل ہیں۔ چند برس قبل ایک محترمہ پروفیسر صاحبہ نے اس نکتہ کو نکھارنے کے لئے ان سے طویل خط وکتابت کی تھی لیکن ان کی طرف سے آج تک کوئی شافی جواب نہیں مل سکا۔ یہ خط وکتابت محدث (مئی ۱۹۹۵ء صفحہ ۳۷ تا ۴۶) میں بعنوان: کیا حدیث حجت ہے مگر وحی نہیں؟ شائع ہوچکی ہے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔محبّ اللہ بن عبدالشکور، مسلم الثبوت مع شرح (محمد سعید اینڈ سنز تاجران کراچی) ج ۲،ص ۶۶

۱۰۔ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ (المطبعہ الرحمانیہ القاہرہ) ج ۴،ص ۳

۱۱۔احمد المعروف ملا جیون، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار، مطبعہ علیمی لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۷۵

۱۲۔محمد بن علی الشوکانی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، (دار الباز مکہ المکرّمہ) ص ۲۹

۱۳۔نواب السید محمد صدیق حسن خان، حصول المامول من علم الاصول، (مطبعہ مصطفیٰ محمد القاہرہ، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) ص ۳۸

۱۴۔محمد عبدالحی لکھنوی، ظفر الامانی بشرح مختصر السید شریف الجرجانی فی مصطلح الحدیث (مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب ۱۴۱۶ھ) ص ۲۴۔۲۵

۱۵۔امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر حدیث، ص ۲۸

۱۶۔امین احسن اصلاحی، مبادیٔ تدبر قرآن، (فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع اول، ۱۹۹۱ء) ص ۱۹۱۔۲۱۷

۱۷۔ایضاً، ص ۲۱۸　۱۸۔النحل، ۴۴　۱۹۔مبادیٔ تدبر حدیث، ص ۱۴۶　۲۰۔موطأ امام مالک ص ۸۲۳

۲۱۔بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع کراچی) ج ۲،ص ۱۰۰۹، مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع کراچی) ج ۲،ص ۶۵، کتاب الحدود

۲۲۔تدبر قرآن، ج ۴،ص ۵۰۲　۲۳۔تدبر قرآن، ج ۴،ص ۵۰۵　۲۴۔مسلم الجامع الصحیح، ج ۲ص ۶۸

۲۵۔تدبر قرآن، ج ۱ص ۱۷۱　۲۶۔صدیق حسن، حصول المامول من علم الاصول، ص ۱۲۷

۲۷۔عبدالعظیم زرقانی، مناھل العرفان فی علوم القرآن، (دار احیاء التراث العربی القاہرہ) ج ۲،ص ۱۳۹۔۱۴۰

۲۸۔النجم، ۳۔۴　۲۹۔مبادی تدبر حدیث، ص ۵۴　۳۰۔البخاری، الجامع الصحیح، ج ۱ص ۸

۳۱۔ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری، (دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور) ج ۱،ص ۲۵

۳۲۔مسلم، الجامع الصحیح مع شرح نووی، ج ۱،ص ۳۷　۳۳۔مسلم الجامع الصحیح، مع شرح نووی، ج ۱،ص ۳۹

۳۴۔البقرہ، ۲۳۰　۳۵۔تدبر قرآن، ج ۲،ص ۴۹۳　۳۶۔صحیح بخاری، ج ۱،ص ۸۲۵

۳۷۔کرمانی، شرح البخاری (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۱۹،ص ۲۲۸

۳۸۔الکہف، ۶۵　۳۹۔تفسیر تدبر قرآن، ج ۴،ص ۶۲　۴۰۔تدبر قرآن، ج ۴،ص ۵۶

۴۱۔صحیح بخاری، ج ۲،ص ۶۸۷　۴۲۔الجمعہ، ۲　۴۳۔البقرہ، ۱۲۹

۴۴۔مبادی تدبر قرآن، ص ۱۱۰　۴۵۔ایضاً، ص ۱۱۱　۴۶۔ایضاً، ص ۱۱۰۔۱۱۱

۴۷۔الشافعی محمد بن ادریس، الرسالہ (مصطفیٰ البابی الحلبی واولاہ بمصر، القاہرہ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ) ص ۴۴۔۴۵

۴۸۔الشافعی، کتاب الام (دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۳ھ) ج ۷،ص ۲۷۰۔۲۷۱

۴۹۔ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، (دار الفکر، بیروت) ج ۱،ص ۲۰۔۲۱

۵۰۔مبادی تدبر قرآن، ص ۲۱۸　۵۱۔مبادی تدبر حدیث، ص ۲۰　۵۲۔تفسیر تدبر قرآن، ج ۱،ص ۲۳

۵۳۔ایضاً، ص ۲۳۔۲۴، ۴۵۸　۵۴۔ایضاً، ص ۶۹　۵۵۔ایضاً، ج ۲ص ۱۷۹

۵۶۔ایضاً، ج ۳،ص ۵۰، ۱۲۶، ۱۵۳، ۱۶۲، ۴۳۱، ۴۹۷

۵۷۔ایضاً، ج ۵،ص ۵۰۱　۵۸۔ایضاً ج ۵،ص ۲۴۳، ۲۴۴　۵۹۔ایضاً، ج ۶،ص ۱۴۳، ۲۷۳، ۳۶۰، ۴۶۹، ۵۱۶

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ